ہمارا پیام

قُرآن کی روشنی میں

شہید راہ حق:

حضرت آیت اللہ سید محمد باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فَہرسْت

ہمارا پیام اور اسلامی شخصیت ﴿۱۰﴾﴿۵﴾﴿۹﴾

عَرضِ ناشر

ابتدا ہے اپنے رب تعالیٰ کے نام سے جو حقیقت میں عبادت کے لائق ہے درود بنی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس پر کہ جن پر خدا اور اس کے فرشتے بھی درود بھیجتے ہیں، اور سلام ہے ان کی اولاد پر جو ہماری رہنما اور وصی ہیں۔

آج ہمیں اسلام سے وابستگی اور اسلام سے آگاہی کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔جس طرح اسلام اور اس کا رہنما نظام سمجھنا ضروری ہے جب تک ہم اس رہنما نظام کو سمجھ نہیں لیں گے تب تک ہم کوئی تبدیلی لانے کے قابل نہیں ہوسکیں گے۔

معراج کمپنی کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے قیام کے دن سے آج تک منفرد کام سرانجام دیئے ہیں، جناب سید العلما، آغا رہبر اور دیگر اکابرین کے آثار وافکار پر کام کیا اور ان بزرگانِ دین کی کتب کو جمع کر کے اشاعت کے زیور سے آراستہ کیا، اور اب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے افکار وآثار کو جمع وتدوین کا بیڑا اٹھایا ہے،

سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل نے ''رسالتنا'' کا اردو ترجمہ کیا، یہ مضامین دراصل فکری، سیاسی اور تمدنی انقلاب کا قرآنی پیغام ہیں۔

پیام اسلامی سنٹر کراچی کے مہتمم محترم جناب سید فدا حسین رضوی نے ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ جناب شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے گراں قدر کتب میں سے اس وقت کوئی کتاب بھی پاکستان میں دستیاب نہیں ہے جس سے محبان شہید باقر الصدر بہت افسردہ ہیں، نا صرف توجہ دلائی بلکہ کتب بھی مہیا کیں اگر یہ کہا جائے کہ یہ ساری کاوش

جناب سید فدا حسین رضوی صاحب کی ہے تو بے جا نہ ہوگا ادارہ ان کا انتہائی ممنون ومشکور ہے اوران کے دعا گو ہے۔ اللہ ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے۔

ادارہ ان تمام افراد کا انتہائی ممنون ومشکور ہے جنہوں نے شہید باقر الصدر رحمۃ اللہ علیہ کے کتب کی فراہمی میں مقدور بھر کاوش وسعی انجام دی۔

اگر کسی کے پاس شہید باقر الصدر کی کوئی تصنیف موجود ہے تو از راہ کرم ہمیں ارسال فرمادیں تاکہ اس کو شائع کیا جاسکے اور آپ اس کارخیر میں ہمارے رفیق کار ہوں اور دنیا اور آخرت کی منازل میں ترقی کا سبب بن جائیں۔

❁❁❁❁

پہلا مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد وآلہ الطاھرین۔

ایک مدت سے کوشش ہو رہی تھی کہ اسلامی حکومت قائم ہو، مگر اپنوں کی نادانی اور دشمنوں کی زیرکی اس راہ میں رکاوٹیں ڈالتی رہی۔ ادھر سمندر پار، مغرب میں منصوبے بنے اور مسلمانوں کی ذہنی دھلائی کا عمل بتدریج شروع ہو گیا۔ فکری توڑ پھوڑ اور ثقافتی لوٹ مار اور تہذیبی جنگ کے اخلاقی معیار بدل دیئے اور اسی کے ساتھ ساتھ حکومتوں پر سمندری قزاقوں نے قبضے کرنا شروع کر دیئے۔ ذہن بدل دیئے، فلسفہ بدل دیا، زبان بدل دی، لباس بدل دیا، صورت بدلی تو سیرت بھی بدل گئی۔ معاشرہ، تاریخ اور روزمرہ کے مسائل پر سوچ کا انداز بدل دیا۔ لندن، پیرس، واشنگٹن اور ماسکو سے رشتے جوڑ لئے۔ یہ اللہ کی قدرت نمائی ہے کہ سب کچھ ہوا مگر مسلمان، برائے نام ہی سہی، اسلام اسلام ضرور پکارتا رہا اور کتاب وسنت کے امین علما دین اسلام، عقیدہ وعمل، فلسفہ وتجربہ کو صبر واستقامت کے ساتھ لئے آگے بڑھتے رہے۔ پاکستان بنا تو سب کی ہمت بڑھی، مگر دشمن نے دوستوں کی نگاہیں بدلوا دیں ایران کے ماضی قریب میں سید ابوالقاسم کاشانی نے کامیاب ترین کوشش کی لیکن محمد مصدق نے بات ہی بدل دی، عراق میں علما کی قیادت میں مسلمان اٹھ رہے تھے کہ فوجی انقلاب آیا اور نجف محاذ جنگ بن گیا علما وطلبہ نے فوج کا مقابلہ کیا۔ آخر کار سب کے سب

جان پر کھیل گئے۔اس نازک وقت عراقی عوام نے بڑی کمزوری دکھائی، ہزار دو ہزار موت سے پنجہ آزما ہوئے تو کیا۔ اتحاد عنقا اور جمعیت ناپید، اسلام پر بے یقینی کا یہ عالم دیکھ کر علما ایک اور محاذ کھولنے پر آمادہ ہو گئے یہ محاذ ہر طرف کھلتا چلا گیا۔اسی محاذ کی صدائے بازگشت یہ کتاب ہے۔اسلامی ذہن بنانے اسلامی انقلابا سلام دشمن نظریات،تہذیب وتمدن، فلسفہ اسلام جیسے موضوعات پر ٹھوس لٹریچر مہیا کرنے کا منصوبہ،فکری محاذ پر جم کر لڑنے کا فیصلہ۔

سرمایہ داری، اشترا کیت اور دوسرے فلسفوں کا علمی جائزہ، اسلام کے زندہ اور قابل عمل ہونے کا دعوے،مغرب کے جدید ترین،معاشرتی اور سیاسی نظریات کا تعارف اوران پر تنقید۔اب تک یہ کام خالص علما دین کی طرف سے بہت سست روی سے ہوا تھا۔ نجف کے علمانے قلم اٹھائے تو قیامت برپا کردیا۔آیت اللہ سید باقر صدر،تحریک کے پیشرو یا نقیب ثابت ہوئے۔ فلسفتنا۔(ہمارا فلسفہ)۔اقتصادنا۔ ہمارے اقتصادیات نے روس وامریکہ کے دانشوروں کو خوف زدہ کر دیا۔خود عراق کے سوشلسٹوں نے زور وظلم کے ذریعے ابھرتی قوت کو دبایا لیکن دانشور اپنی جگہ سے ہل چکے تھے آخر صدام نے انتہائی بربریت کے ساتھ سربراہوں کو قتل اور تمام دانشوروں کو جلا وطنی،شکنجہ،تباہی اور قتل کا نشانہ بنایا۔زن ومرد پیروجواں سب نے قربانیاں دیں مگر بے ترتیب،سیدہ بنت الہدیٰ اوران کے بھائی آیت اللہ سید باقر صدر نے ایک آواز،ایک قوم اور ایک فیصلہ کے لئے کام شروع کیا۔صدام نے انتہائی بیدردی انتہائی بہیمیت،انتہائی درندگی کے ساتھ دونوں کو شہید کر دیا۔اس خون ناحق نے زمین پر گرتے ہی رنگ دکھایا۔ایران کا اسلامی انقلاب لوگوں کی رگ وپے میں دوڑ گیا۔لبنان والوں نے سوچا کہ موسیٰ صدر کے بعد باقر صدر مارے گئے اوراب تک ہم نے کچھ نہ کیا؟ دنیا بھر کے مسلمان حرکت میں ہیں مگران کے قائد سست اور غافل ہیں۔

عراق سے اٹھنے والی علمی تحریک اور انقلاب اسلامی کی دعوت ’’جماعتہ علما‘‘ کی طرف سے جس آہنگ اور جس عالم میں وجود پذیر ہوئی وہاں کے باریک بیں

اور روشن فکر علمانے جس طرح درجہ بندی سے کام کیا اس کا آرگن ''الاضواالاسلامیہ'' تھا یہ رسالہ تحریک کا قبلہ نما، افکار کا ٹرانسفارمر تھا۔ الاضوااسلامیہ کا مقالہ افتتاحیہ پرچے کی جان اور پارٹی کی فکری اٹھان کا نقطہ آغاز ہوا کرتا تھا۔ جناب محمد حسین فضل اللہ حسنی نے مجلہ کے اداریوں کو اس کتابچے کی صورت میں یک جا کر دیا اور وہی نام رکھا جو الاضوا کے اداریہ کا عنوان تھا۔ رسالتنا۔ ہم نے اس کا اردو ترجمہ ہمارا پیام کیا۔

ہمارا پیام۔ رسالہ ''الاضوا لاسلامیہ'' کے سولہ اداریوں کا مجموعہ ہے۔ ان مقالات میں اسلامی زندگی، مسلمانوں کی فکری توانائی اور قرآن مجید کی حیات آفرین تعلیم کا تعارف جس وزنی اور سادہ انداز میں کرایا ہے وہ بڑا دل کش اور بصیرت افروز ہے۔ ہم نے ان مقالات کو پڑھا تو محسوس کیا کہ مسائل ومباحث اس قدر اہم ہیں کہ دنیا کی بڑی اور ہماری قومی زبان میں اس کا ترجمہ انتہائی ضروری اور بہت مفید ہے۔ ہماری قوم مسلمانوں کی بالا دستی بلکہ اسلامی حکومت کے قیام کی متمنی ہے اسے اس راہ میں روشنی کی ضرورت ہے ہمارے پڑوس میں انتہائی شاندار طریقے سے اسلامی انقلاب برپا ہو چکا ہے۔ فکر و عمل، فرد ومعاشرہ امن اور جنگ، فرہنگ وتمدن کا انقلاب، ایرانی مسلمان مکمل اتحاد و فکر وعمل کی ہم آہنگی میں موت کو شرمارہے ہیں وہ شہادت جو مرد مومن کی منتہائے آرزو ہے وہ زندگی جاوداں جس نے ساری دنیا کو اپنی تابناکی سے خیرہ کر رکھا ہے ایرانی مسلمانوں سے ہم آغوش ہے۔ اسی کیف وآہنگ کی صدا، اسی حرارت وعمل کا پیام سید باقر شہید نوجوانوں کو دے رہے ہیں یہی دعوت سیدہ بنت الہدیٰ خواتین کو دے رہی ہیں۔ اسی دعوت کو ''ہمارا پیام'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھیے تو اندازہ ہوگا کہ آج کے مسائل پر کس قدر اثر انگیز گفتگو ہے۔

قرآن مجید، ہماری مشکلات کا حل ہے؟ کیسے؟ اس کا جواب اس کتاب میں ہے ہمارا انحطاط کیسے دور ہو؟ اس کا حل اس کتاب میں ہے۔ اسلام دشمن کن کمینگاہوں سے حملہ کر رہے ہیں؟ اس کی نشاندہی اس کتاب میں ہے۔ قرآن مجید کا انطباق افکار وحالات پر

کیا جائے یا احوال وخیالات کو قرآن مجید کی روشنی میں پرکھا جائے؟ کیوں اور کیسے؟ اس پر بڑی منطقی اور سادہ مگر ٹھوس گفتگو اس کتاب میں ہے۔ حوزہ علمیہ نجف کی نمائندہ جماعت علما نے مغربی استعمار، ہر قسم کا استعمار، کس زاویئے سے دیکھا، مغربی زہر کا تریاق کیا پیش کیا ہماری قوت مدافعت کو کیونکر ابھارا، اس کا ایک خاکہ ایک چربہ اس کتاب میں ہے۔

ظاہر ہے کہ لفظی ترجمہ کبھی بھی معنی خیز نہیں ہوتا اور معنی خیز ترجمہ ہی مطالب کے انتقال وابلاغ کی وجہ سے اپنے قاری کے اسلوب فہم وفکر سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ ہر زبان میں تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ مفاہیم کے پھیلاؤ، افکار کے ٹکراؤ اور دنیا کی شکست وریخت، لٹریچر کی فراوانی اصطلاحات کی نقل وانتقال سے ایک ایک لفظ کے خدا جانے کتنے معنی پیدا ہو چکے ہیں۔ رسالت ہی کو دیکھیے۔ پہلے اس کے معنی پیغمبری کے تھے۔ ایک مصنف جو خدا اپنے معصوم فرستادہ بندہ خاص کو عطا کرتا ہے وہ احکام کی تبلیغ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ آخری رسالتمآب ہمارے رسول محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لیکن آج کل اس کے معنی کچھ اور لئے جا رہے ہیں پیام۔ دعوت، مشن اور منشور، اس کتاب میں یہ معنی بکثرت موجود ہیں۔

زیر نظر کتاب میں کہیں کہیں تکرار مطالب بھی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب مجموعہ مضامین ہے۔ ایک مسلسل تحریر نہیں ہے۔ لیکن یہ تکرار بہت مفید ہے۔ اس تکرار کی افادیت ذرا سے غور سے واضح ہو جاتی ہے خصوصاً جب آپ پوری کتاب ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھیں۔ اصل میں یہ کتاب ہے بھی بار بار پڑھنے اور غور کرنے کے قابل۔ ان مضامین میں فلسفہ ہے مگر عمل کے لئے زندگی وآزادی کا وہ فلسفہ جو اسلام نے پیدا کیا اسلام کے نظام کا تعارف ہے وہ تعارف جو قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔ عالم دین کے قلم سے سیاست اور قرآنی سیاست کے زاویے سے تعلیم اسلام۔ دین کامل ہو چکا تو اس کے عملی اطلاق کا طریقہ، مشاہدات وتجربات، آنکھوں دیکھی بات کو عقل کے فریم میں اور عقل کے فریم کی بات روزمرہ کی زندگی میں عملی طور پر آزما کے دیکھی جا سکتی ہے۔

مجھے یہ کتاب بہت پسند آئی، اس میں بہت سی نئی باتیں ہیں، بہت سے واقعی

حقائق ہیں جو پہلی مرتبہ سمجھے سمجھائے گئے ہیں اور بہت سے مسائل ونکات ہیں جن کا لہجہ نیا اور بات کہنے کا ڈھنگ دلکش ہے۔

یہ کتاب دانشوروں اوران جوان طلبہ کے لئے بے حد مفید ہے جو آج کے مسائل سمجھنا چاہتے ہیں یہ کتاب ان سیاست دانوں کے لئے بہت کارآمد ہے جو سیاست اور دین کے مسئلے پر سوچنا چاہتے ہیں۔ یا اسلامی انقلاب کا فلسفہ اور اس کے امکانات سے باخبر ہونے کے خواہش مند ہیں۔ یہ کتاب ان علما کے لئے پڑھنے کی ہے جو دنیا کے افکار اور علمائے اسلام کی پیش قدمیوں سے مطلع رہنے کی عادت رکھتے ہیں۔

سید مرتضیٰ حسین صدرالا فاضل

دوسرا مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جہانوں کے پروردگار اللہ کی حمد، ہمارے سردار اوران کے پاک پاکیزہ ومعصوم اہل بیت اور منتخب اصحاب اور خوبی کے ساتھ ان کے پیروکاروں پر قیامت تک درودوسلام۔

بعض کتابوں کی قدرو قیمت ان کے خاص فکری، علمی اور فنی مضامین ومطالب کی بنا پر ہوتی ہے اور کبھی معاشرتی، سیاسی اور دینی مباحث ومعلومات کی وجہ سے یہ مباحث کسی معاشرے کے افراد وشخصیات کی ذات سے متعلق ہوں یا اس پورے معاشرے سے متعلق ہوں جن میں وہ خاص اشخاص زندگی گزار رہے ہوں یا ان سے نکل کر آئے ہوں۔

"رسالتنا" نامی کتاب، اپنے مشن کی قدروں، اپنے پیاموں کی اہمیت، کی بنا پر مسلمانوں کی اس دانشمندانہ پیش قدمی کی نمائندگی کرتی ہے جو نجف اشرف سے اٹھنے والی تحریک اور باخبر انداز میں اس جہاد کی سمت دکھاتی ہے جو نئے افقوں پر مضبوط حملوں کے لئے معین ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ کتاب وہاں کے مرحلہ وار نئے اقدامات کی تاریخ ابتدا بتاتی ہے۔

اس کتاب کی تاریخ، اس کا مفہوم، تحریک، یہ نکات زیر نظر مقدمے میں موضوع گفتگو ہوں گے۔

۱۴ جون ۱۹۵۸ء کو شاہی کے خلاف عراق میں انقلاب آیا جس کے نتیجہ میں پرانا نظام ہلا، فضا میں منفی رجحانات اور الحادی افکار کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ نجف اشرف کے کچھ علما

نے ان رجحانات کا مقابلہ کرنے کے لئے "الاضوا الاسلامیه" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ الاضوا الاسلامیہ میں شائع شدہ مضامین اس کتاب کی ابتدا بنے۔ حوزۂ علمیہ نجف نے اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے وقت کے تقاضوں کو دیکھا اور نئے ساز وسامان کا اہتمام کیا۔ دعوت اسلامیہ کے لئے ترقی یافتہ انداز تبلیغ کی ضرورت محسوس کی صورت حال انتہائی سنگین ہورہی تھی مخالفت کے طوفان عقل وشعور واحساسات کو للکار رہے تھے اسلام اور مسلمانوں کے لئے میدان خالی کرنا اور دشمن کو تنہا چھوڑ نا درست نہ تھا۔

اس پس منظر میں علما کا ایک گروہ پیش قدمی کے لئے سامنے آیا اور راہ عمل معین کرنے کو تیار ہوا۔ نجف اشرف کی باشعور تاریخ میں علما نے اپنا کردار ادا کیا۔ منتخب علما کا گروہ انقلاب کی راہ میں اٹھا۔ یہ پہلا مرحلہ تھا یہ گروہ ان علما پر مشتمل تھا جو اپنے خاص حلقے اور علمی دائرے سے باہر نہیں نکلے تھے کچھ لوگ ایسے اقدامات کو خاص دائرے سے نکلنے اور سیاست میں قدم رکھنے، بلکہ اسلامی حدود سے آگے بڑھنے سے تعبیر کرتے اور گویا گناہ سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں اس طرح کے کام خصوصیات وروایات علم وعلما کی مخالفت اور روحانیت وعلما کے طریقے سے انحراف تھا پرسکون اور سبک رفتار قافلے کو تند وتیز چیلنج اور للکاروں کا سامنا کرنا تھا۔ انہیں دور سے آنے والے تیز جھکڑوں سے بچنے کے لئے بہرحال جلدی اور برق رفتاری سے آگے بڑھنا اور جھپٹنا ضروری تھا۔

علما کی اس انجمن نے منشور کے بعد منشور چھاپنا شروع کر دیئے کہ لوگوں کی آنکھیں کھلیں ان کے دلوں پر دستک دی۔ انہیں نئے چیلنجوں سے مقابلے کے لئے ابھارا۔ حکومت کی تبدیلی اور جذباتی نعروں، عوام کے جوش اور ان کے جذبات سے کھیلنے والے بہانہ طلب اشخاص کے اسلام دشمن مقاصد کو عریاں کیا۔

علاقے میں برطانوی استعمار کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا کام کرنے والی حکومت سے نجات حاصل کرنے والے مخصوص گروپ نے ایک منصوبہ بنایا۔ عوام کے شعور کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ عوام ظاہری اور کھلے حالات سے ٹکراتے ہیں اور اس کی تہہ میں چھپی ہوئی

صورتحال کوان لوگوں کے حوالے کردیتے ہیں جوفضا سے نمٹنے کے لئے سامنے آتے ہیں ان کے نزدیک اصل صورت کی اہمیت نہیں ہوتی۔ وہ حقیقی واقعے کی اہمیت نہیں سمجھ پاتے کیونکہ اس کو ماحول کے رنگ نے گہرے پردوں میں چھپالیا ہوتا ہے۔ انقلابی جذبات کے ہیجان نے ان متعدد سیاسی رجحانات کومسترد کردیا جوعوامی مظاہروں میں سڑکوں پر نکل چکے تھے اور فضا میں چلنے والی ہوا میں اپنی جگہ بنا رہے تھے۔ قومیت ، سوشلزم، علاقائی تحریک جیسے افکار باہم دگر متصادم اور نعروں کے ذریعے اپنے پیر جمانے کی فکر میں تھے۔

انقلاب کے قائد ''عبدالکریم قاسم'' نے اپنا نام ''الزعیم الاوحد'' رکھ لیا۔ یہ شخص عجیب وغریب خصوصیات کا حامل تھا۔ اعصابی کمزوری کا شکار، طبیعت کا جھلا، ہنگامی معاملات میں کبھی ادھر، کبھی ادھر، مختلف الخیال گروپ ''منفرد رہنما'' سے واضح فیصلہ طلب کرتے تھے، ان لوگوں کے الگ الگ نعرے، اور وہ نعرے ان کے فکری وسیاسی منصوبوں کے ترجمان تھے وہ پورے کھیل کا کاروبار سنبھالے تھا مگر اسے یہ احساس بہرحال نہ تھا کہ خاص گروہ میدان پر چھا چکا ہے وہ اس تاک میں ہے کہ موقع ملتے ہی اسے مرکز سے ہٹا کر ایک خاص گروہ کی مقصد برآری کے لئے فضا ہموار کردے، اس کے بعد تصادم کو ابھرنے کا موقع ملے اور ''منفرد رہنما'' اپنی لیڈرشپ کے لیبل کے ساتھ باقی بھی رکھا جائے قوموں کو کھلونا سمجھنے والے علاقائی گروپ یہی کردار ادا کرتے آئے ہیں۔

لیکن نجف اشرف کا جو گروہ علما میدان میں آیا اس کے پاس نہ کوئی واضح فکری منصوبہ تھا نہ آزمودہ فکری مرحلہ وار پروگرام، نہ ترجمان مقاصد نعرے۔ ایک عام تاثر، ایک عزم ضرور تھا۔ الحاد، اشتراکیت، کمیونزم اور امپیریلزم کے خلاف غیر واضح اور غیر تفصیلی ارادے بہرحال تھے۔ ان لوگوں نے جو لٹریچر شائع کیا اس میں اسلامی غیرت اور اسلامی جوش کا وہی رنگ تھا جو دوسرے گروہوں میں تھا وہ لوگ ''منفرد رہنما'' کے لئے بڑے بڑے القاب اس لئے استعمال کرتے رہے کہ اسلامی موقف مضبوط کرنے کی خاطر مرکزی شخصیت کو اپنے قبضے میں لے سکیں یا اس کے ''اسلامی'' نام کو استحصال اور دوسری پارٹیوں پر

دباؤ ڈالنے کا ذریعہ بنا سکیں۔

اس مرحلے میں قومی لیڈر کو حرکت میں لانے کی مجنونانہ کوششیں اور پورے علاقے میں استعماری طاقتوں کی سازشیں پرسکون حالات اور عقلی و منطقی طریق کار کو دور کرتی گئیں لیڈر کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ جنونی راستوں سے ہو کر عقل کی راہ لیتا۔

''جماعت علما'' نے محسوس کیا کہ میدان میں قدم جمانے کے یہ طور طریقے نہیں ہیں۔ چڑھا ہوا طوفان اتر سکتا ہے۔ مگر عراقی میدان میں صف آرا ہونے کے لئے معین فکری اصولوں کی بنیاد رکھنا ہوگی۔ یہ دستور العمل غیر اسلامی جماعتوں کے فکری و سیاسی ضوابط کے خطوط پر ہونا چاہئے اس جماعت میں ایسے ابھرتے ہوئے لوگ بھی تھے جو روایتی فکری تقلید سے ہٹ کر سوچتے تھے۔ ان کے خیال میں جس انداز سے غلط روی کو فروغ دیا جاتا ہے اسی انداز سے ہدایت و درست روی کو بھی فروغ دیا جانا چاہئے۔ ہدایت انہی راہوں سے پھیلانا چاہئے جن راستوں سے گمراہی پھیلتی ہے۔ اس فکر کو عمل میں لانے کے لئے ایک اسلامی مجلّے کا آغاز ہوا۔ اس مجلہ کے ذریعے نئی نسل کی فکری توانائیوں کو للکارنا اور ذہنی قوتوں کو جھنجھوڑنا مقصود تھا۔ انہیں جدید عصری لہجے اور نئی روشنی میں یہ سمجھانا تھا کہ مختلف تنظیموں کی طرف سے زندگی کی مشکلات کے جو حل پیش کئے جا رہے ہیں وہ جادو کے ذریعے فوری حل نہیں ہیں کہ آپ جنت ارضی میں اچانک داخل ہو جائیں۔۔۔ ان کے مقابلے میں اسلامی فلسفہ حیات بھی ایک حقیقت ہے جو انسان کو پیش آمدہ مشکلات میں متوازن راستہ اور معتدل حل بتاتا ہے۔۔۔ تصادم کے چیلنج نے نجف اشرف کے اسلامی طرز حیات کو حرکت بخشی اور اس نئے اسلامی رجحان کو عملی بنانے پر مجبور کیا جو شریعت، دستور اور احساسات عوام کے لئے فکری بنیاد مہیا کرے اور اسلامی قیادت کے لئے راہ عمل بنا سکے۔ اس انداز فکر کی نشوونما کے واسطے فضا بالکل ہموار تھی۔۔۔ درشت فطرت کافرانہ دھمکیوں نے دینی حلقوں میں اضطراب پیدا کر رکھا تھا۔ ''الاضوا الاسلامیہ'' نامی رسالے

کے پہلے مقالے نے اس خاص انداز فکر اور مشن کی غرض وغایت کو واضح کر دیا۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

> الاضوا، دراصل تابناک اسلام کی شعاعوں کا پھیلاؤ ہے، ہم اس کے ذریعے قوم کو روشنیاں دینا چاہتے ہیں تا کہ اسلامی حقائق کے چھپے خزانے کھلیں اور سب انہیں دیکھیں، قوم کے فکری رجحانات اور واقعات واحوال کے جزر و مد پر نور کی بارش ہو۔ یہ اس فکری تحریک کا حصہ ہے جسے مصلحین وقائدین ملت نے شروع کر رکھا ہے۔ وہ اس رسالے کو تحریک کے بڑھنے پھیلنے اور قوت دینے کا سبب جانتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ قوم سیدھا راستہ پہچان لے اور اس خدائی کنجی سے دنیا کے دروازے کھولنے کا طریقہ دریافت کرے جسے خود مسلمانوں نے مدت دراز سے بے کار سمجھ رکھا ہے۔

یہ اشارہ بھی کرتا چلوں۔ الاضواء کا فری منصوبہ اور اس کے نصب العین کی تحریک ان علما کی سرپرستی میں ہے جو اسلامی فکر جدید کی عملی قوتوں کا سرچشمہ ہیں۔ معاشرتی وفکری زندگی میں کروٹ لے رہی ہے اور وہ عظیم اسلامی رجحان جو ابھر چکا ہے اس پر اثر انداز ہونے والوں میں سرفہرست شہید سعید، مفکر عظیم اسلام، سید محمد باقر صدر ہیں، ان کا قلم اور ان کی فکر اسلامی رجحان وتحریک کے ہراول دستے کی نقیب ہے۔۔۔۔ انہوں نے اس گھٹن میں کتاب ''فلسفتنا'' لکھی۔ حقیقت میں اس کتاب نے سوشلسٹوں سے جنگ کا رخ موڑ دیا۔ مرکز اطلاعات امریکہ، پروپیگنڈے اور ہنگامے کی جنگ میں مصروف تھا۔ اس کتاب نے علمی وفکری انداز میں جنگ کا آغاز کیا۔ اس کتاب نے بتایا کہ نئی اسلامی فکر سوشلزم سے

ٹکر لینے کے باوجود مغربی مفادات وسیاست سے کوئی رابطہ نہیں رکھتی بلکہ اس کا ایمان ہے کہ عقائد میں مکمل اطمینان ہی صحیح راستہ ہے وہ فکری گفتگو جو مستحکم فکری اصول وقواعد پر مبنی ہو۔۔۔اس وقفہ میں شہید صدر کی تحریک نے اسلامی فکر کے نئے منصوبے کی تیاری میں بہت بڑا کردار ادا کیا اوران کے کم عمر ہونے کے باوجود قابل احترام علمی مقام نے ''جماعت علما'' کو نیا جذبہ بخشا۔ نیز ان کے عظیم المرتبت ماموں آیت اللہ شیخ مرتضی آل یاسین اوران کے برادر محترم حجۃ الاسلام سید اسماعیل صدر رحمہم اللہ۔ان میں سے جماعت کے سربراہ اور مرکزی شخصیت جناب شیخ مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے ان لوگوں کے ساتھ حضرت شہید صدر کے دوست اور قدر دان دانشور بھی اس نصب العین کی سمت بڑھے۔انہوں نے رسالے کے مقالہ افتتاحیہ لکھنا شروع کئے جس کا عنوان ''رسالتنا'' قرار دیا۔ پانچویں شمارے تک، سید شہید کے مضامین تھے۔اس کے بعد ان کے مقالے رسالے تک پہنچنے سے روک دیئے گئے۔مرکزی حکومت نے بڑی سختی سے حوزۂ علمیہ نجف کو دبانا شروع کیا اور نجف نے جو مضبوط سیاسی پوزیشن حاصل کر لی تھی اسے کچلنے کے لئے قدم اٹھائے۔حکومت چاہتی تھی کہ نجف سے مذاکرات کرے۔مذاکرات ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

سید شہید صدر باوجود حکومت کی سختی سے رسالے کی مدد کرتے رہے اس کے فروغ اور اس کے فکری مواد ومسائل سے دلچسپی لیتے رہے اوران کی خواہش سے ان کے بعض احباب مقالہ افتتاحیہ لکھتے رہے۔

گفتگو ختم کرنے سے پہلے دو نکتوں کی طرف توجہ مبذول کرانا ضروری ہے۔

﴿۱﴾ سید شہید صدر رحمۃ اللہ علیہ کے فکری سلسلے کو ابتدا سے دیکھنے اور سمجھنے والے احباب کو ''رسالتنا'' نصب العین کی پانچوں کتابیں دیکھنا چاہئیں تا کہ سید کے فکری نظام کا پہلا مرحلہ پوری طرح سے سمجھنے میں آسانی ہو۔ نیز عراق کی اسلامی انقلابی تحریک کے منصوبوں کے تعارف کے ذیل میں سید شہید کی کارکردگی کا حال معلوم ہو سکے۔

﴿۲﴾ عراق میں اسلامی تحریک کے اقدامات کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے

ضروری ہے کہ وہ ''الاضواءالاسلامیہ'' کے مقالات ومضامین کا بغور جائزہ لیں اورانہیں بار بار پڑھیں۔ یہ مقالات حوزہ علمیہ نجف کی فضا میں نئی وسعتوں اورنسل جدید کے دینی طلبہ کی نئی قوتوں سے متعارف کراتے ہیں۔حوزہ علمیہ نجف میں قدیم وجدید کے موضوع پر نا گوار مگرضروری مقابلہ بھی یہیں سے شروع ہوتا ہے۔اسی کے نتیجے میں حوزہ نجف کوسیاسی راستے میں نشانہ بنایا گیا۔وہ راستہ جواسلام اورحکومت کے درمیان تھا۔مرکز میں مرجعیت کوسیاسی راستے میں نشانہ بنایا گیا۔وہ راستہ جواسلام اورحکومت کے درمیان تھامرکز میں مرجعیت کا وزن حکومت جانتی تھی اسے مرجعیت کے طول وعرض اس کے پھیلاؤاوراس کی گہرائی عالم اسلامی میں اس کی قوت وتاثیر سے وہ باخبرتھی۔خصوصاًان دنوں اسلامی تحریک کے درمیان جو کچھ ہوا۔۔۔آخرکار ہزاروں طلبہ کوعراق سے نکالا ہزاروں علما کو جلا وطن کیا،جیل اور شکنجوں میں ڈالا،سینکڑوں علماوطلبہ کومقدمہ وعذرداری وصفائی کا حق دیئے بغیرقتل کیا،بات بڑھتے بڑھتے اس عظیم المیہ تک پہنچی کہ مفکراسلام آیت اللہ سید محمد باقر صدراوران کی مجاہدہ بہن کواس باغی وکافرحکومت نے سخت اذیتیں دے کرشہید کردیا۔ان شہیدوں کا مقصد تھا کہ کلمہ اسلام باقی رہے۔کلمہ اسلام کا افق،جہاداورشریعت اسلام کے مطابق انقلاب کا دائرہ بڑھتااورپھیلتارہے۔

''رسالتنا''ہمارا پیام،نصب العین کےحرف اول کا خلاصہ یہی ہے۔زندگی میں ہمارامشن یہی ہےراہ خدامیں سوچنا،اندازعمل،جہاد،فتح یاشہادت تک۔۔۔

وآخردعواناان الحمدللہ رب العالمین۔

محمد حسین فضل اللہ حسنی

بیروت ۱۷شعبان ۱۴۰۱ھ

ہمارا پیام

افکارِ شہید سید باقر صدر رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ جَآءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۵﴾ یَّهۡدِیۡ بِهِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَیَهۡدِیۡهِمۡ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۱۶﴾

اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آ چکی۔ اللہ اس کے ذریعے امن کی راہوں میں اپنی رضا کے پیروکاروں کی ہدایت فرماتا ہے۔ انہیں تاریکیوں سے نکال کر اپنے حکم سے نو میں داخل کرتا اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔[1]

قومی انقلاب کی بنیادی شرط

قومی انقلاب کی پہلی اور اساسی شرط یہ ہے کہ اس کے پاس مرکز ہو اور اس مرکز

[1] سورۃ المائدہ: ۱۵، ۱۶

میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ انقلاب کے مقاصد معین کرے۔ اس کے حدود بنا کر مثالی کردار پیش کرے اور اس کا زندگی سے رابطہ استوار کرے تا کہ قوم اس کی روشنی میں راستہ چلے، اپنے مشن پر پختہ عقیدہ رکھے، اطمینان کامل کے ساتھ راستہ اختیار کرے اور مقصد کی طرف مثالی کردار دیکھتی، مرکز سے فکری اشارے اور نفسیاتی قوت لیتی ہوئی آگے بڑھے۔ با صلاحیت مرکز سے مراد یہ ہے کہ پہلے تو قوم کا نقطہ آغاز صحیح ہو، دوسرے یہ کہ قوم مرکز کو جانتی پہچانتی اور سمجھتی بوجھتی ہو، تیسرے یہ کہ قوم اس پر بھرپور اعتماد رکھتی ہو۔

قوم کے پاس جب بھی یہ تینوں عناصر جمع ہو جائیں تو وہ اپنے نقطہ آغاز کو صحیح طور پر سمجھتی اور اس پر بھروسہ رکھتی اور نفسیاتی طور پر حقیقی انقلاب کے لئے تیار ہو گی۔ وہ قوم اس نقطہ آغاز کی بنیاد پر زندگی میں ہمہ جہتی تبدیلی بھی پیدا کر سکے گی۔ قرآن مجید کا رہنما اصول یہی ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت میں اس وقت تک انقلاب نہیں لاتا جب تک وہ قوم اپنے اندرونی نظام کو نہیں بدل لیتی۔

ہماری معزز قوم مسلمان، اساسی شرائط میں سے تعمیری انقلاب کے لئے صرف ایک شرط سے محروم ہے۔ نقطہ آغاز و مرکز موجود ہے اور وہ عظیم و مثالی دین اسلام ہے۔ یہ دین ہمیشہ سے مثالی ہے اور رہتی دنیا تک باقی رہے گا مرکزی قیادت کی مضبوط ترین ذمہ داریاں وہ اٹھائے ہوئے ہے۔ قوم کو مثالی شاہراہ دکھا رہا ہے۔ قوم کو تباہ حالی سے معتدل نقطہ عروج پر اٹھا سکتا ہے اللہ کی تقدیر یہی ہے وہ اقوام عالم میں اسے امت وسط بنائے۔ امت اسلامیہ اس مرکز پر اجتماعی حالت میں یقین کامل بھی رکھتی ہے۔ دینی و عقیدہ کے لحاظ سے اس کو مقدس بھی مانتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اکثریت کے نقطہ نظر سے لوگوں کا ایمان کمزور ہے اور بہت سے افراد میں یہ ایمان چند حدود میں محدود ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ قوم عام طور پر یا اکثریتی اعتبار سے قابو نہیں رکھتی۔

تیسرا عنصر تھا مرکز کا ادراک اور فہم قوم، اسلامی مرکز پر مجموعی اعتماد تو رکھتی ہے لیکن مجموعی فہم و ادراک سے خالی ہے۔ یہ تناقض و تضاد پہلی نظر میں عجیب نظر آتا ہے۔ آدمی

ہی سمجھتے ہیں؟ واقعہ یہی ہے۔اس صورت حال سے قوم اس وقت دوچار ہوئی جب سے وہ خفیہ واعلانیہ استعماری صلیبیوں کی سازشوں کا نشانہ بنی۔وہ صلیبی جو اسلام کے تاریخی دشمن ہیں یہ خوفناک سازشیں امت اسلامیہ اوراس کی روح کے خلاف سیلاب کی طرح بڑھیں، نتیجے میں مسلح استعماری جنگ رونما ہوئی۔ان جنگ آزماؤں کا مقصد ایک تو اسلامی حکومت کو ختم کرنا تھا پھر امت اور مرکز میں فاصلہ ودوری پیدا کرنا۔انہوں نے امت کو مرکز سے دور کرنے کا عمل ایڑی چوٹی کا زور لگا کر انجام دیا وہ مرکز سے قوم کا ایمان و اعتقاد اور فہم وادراک ختم کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ امت کا اسلام پر اعتقاد، دشمن کی سازشوں اور استعماری منصوبوں سے زیادہ مضبوط تھا لہٰذا قوم اس معرکے میں ثابت قدم اور کامیاب رہی وہ اپنے عظیم اسلام سے اعتقاد بچا لے گئی لیکن مرکز کا علم اس کے حقائق ومفاہیم کا مرحلہ کمزور پڑ گیا اور اس محاذ پر امت اور مرکز میں جدائی کا منصوبہ بروئے کار آ گیا۔ مجرم سازشیوں نے تمام طریقوں اور ہر انداز سے حملہ کیا اور رشتے کو کاٹنے کی خاطر امت کے ذہن سے حقائق دور کرنے کے لئے اسلام کی روشنی اور اس کی شعاعوں کا رخ موڑ کر ادھر ادھر اپنے افکار کے بیج بو دیئے۔نوازافگن اسلام کی شعاعوں کو اپنی تعلیمات سے دھندلا کر دیا۔ جب دشمن اپنے رسوا کن منصوبے مکمل کر چکا تو امت اسلامیہ اپنے اسلام عزیز کے بارے میں واضح حدود سے ناواقف ہو چکی تھی۔وہ استعماری طاقتوں کے افکار ومقاصد کی خفیہ ریشہ دوانیوں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔یوں بنیادی تضاد رونما ہوا اور امت صحیح اور مکمل طور پر اسلام کو نہ سمجھ سکی لیکن کسی نہ کسی طرح عقیدہ اسلام سے وابستہ بہرحال رہی۔اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا کہ دعوت کا اثر کمزور ہوا اور ایمان قلبی کے درجے میں پستی آئی۔حقائق کی حسین اور نورانی صورتیں نظر سے دور ہو گئیں اور اکثریت میں موثر حرارت عمل مفقود ہو گئی۔قوم کی موجودہ صورتحال یہ ہے کہ صحیح مرکز کی مالک ہے، مرکز پر اعتماد بھی ہے۔اب اسے صرف اپنے اسلام کے سمجھنے، حقائق کا ادراک حاصل کرنے اور کارآمد اور قیمتی خزانوں کو منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے جس کے سہارے امت کے خمیر اور ضمیر میں اسلامی افکار کا رچاؤ اس

قدر بڑھ جائے کہ وہ حقیقی معنوں میں محرک اور ہمہ گیر سچے عوامی انقلاب کی امین وقائد ورہبر بن جائے۔سردست انقلاب کی بنیادی شرط یعنی اسلام کا عمومی ادراک اور ہر شخص کا اسلامی حقائق سے باخبر ہونا امت کی فوری ضرورت ہے۔

''الاضواء'' دراصل تابناک اسلام کی شعاعوں کا پھیلاؤ ہے ہم اس کے ذریعے قوم کو روشنیاں دینا چاہتے ہیں تا کہ اسلامی حقائق کے چھپے خزانے سامنے آئیں اور قومی افکار کے جزرومد پر نور کی بارش ہو۔ یہ اس فکری تحریک کا حصہ ہے جسے مصلحین وقائدین ملت نے شروع کر رکھا ہے۔ وہ اسے قوم کو آگے بڑھانے اور فکری قوت دینے کا سبب جانتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ قوم سیدھے راستے کو پہچان لے اور اس خدائی کنجی سے دنیا کے دروازے کھولنے کا طریقہ دریافت کر لے جسے خود مسلمانوں نے مدت دراز سے بے کار سمجھ رکھا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام اور رہبران اقوام

اسلامی مشن کی خصوصیات و امتیازات ہر میدان اور ہر زمین، ہر مرحلے اور ہر موضوع میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ وہ ہر نظام اور ہر مہم سے زیادہ کامل، جامع اور کامیاب ودوامی ہے جن میدانوں میں اسلامی مشن کے امتیازات قوت ودل آویزی کے ساتھ نکھر کر سامنے آتے ہیں ان میں سے ایک میدان، میدان عمل دعوت اور پیغام رسانی کے پرچم اٹھانے کا میدان ہے۔ اسلامی مشن دوسرے مشنوں سے یہ امتیاز رکھتا ہے کہ وہ اپنے خاص مزاج کی بنیاد پر خود اپنے پیغام سے امداد حاصل کرتا ہے جہاد اور دشمن سے مقابلے کے وقت انسانی نفسیات کو راستی ودرستی پر رکھتا ہے۔ قوت اور اسباب کامیابی کی فراہمی اس کا خاص امتیاز ہے۔ اسلامی پیغام ان عناصر واجزا شرائط اور موثر قوتوں سے دعوت کو رسد مہیا کرتا ہے۔ اسلام کے علاوہ کوئی پیغام ان باتوں کی ضمانت نہیں دیتا یہی سبب ہے کہ بہت سی دعوتیں بہت سی تحریکیں اسلام کی روحانی اثر آفرینی سے دریوزہ گری کرتی رہتی ہیں۔ یہ تحریکیں جو پرچم اٹھا کر آگے بڑھتی ہیں جس بنیاد پر وہ اپنے مشن کو مبنی جانتی ہیں اس سے ہٹ کر وہ اس مشن سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ کسی رنگ اور کسی قسم کی دعوت ہو اسے روح کے لئے کچھ قوت بخش چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے اہم ترین چیزیں یہ ہیں:۔

﴿ا﴾ عقائد:

دعوت کے نقطہ نظر سے پیغام پر یقینی احترامات کا نقش عقائد کے ذریعے بیٹھتا ہے۔ داعی پر احترام عقائد کا نقش جتنا گہرا ہوگا اس کی قوت اتنی ہی زیادہ اور مدافعت اتنی ہی قوی ہوگی۔ اسی وجہ سے ہر بامقصد لیڈر اپنے نظریئے اور نصب العین کو بڑی توجہ سے گہرے تقدس اور احترام کا رنگ دیتا ہے جس کے سہارے اس تحریک کے لیڈروں کے دل میں غیر محدود جذبات اور بے پایاں احترامات یقین اور مقاصد کی صحت کا اعتماد بڑھتا رہتا ہے۔ ہر بحث و گفتگو میں یہی یقین برتری بخشتا ہے اس سے طاقت وحرارت پیدا ہوتی ہے قوت عمل اور دعوت وتبشیر میں اضافہ ہوتا ہے۔

اسلامی پیغام میں یہ نقش داعیان اسلام کے دلوں پر خود بخود ابھرتا ہے اور یہ چھاپ کسی ذاتی کوشش کا نتیجہ نہیں۔ ذاتی کوشش غلطیوں اور محدود تجربوں کا نچوڑ ہوتی ہے وہ کبھی بھی اصل واقعہ اور صورت حال کی صحیح تصویر کشی نہیں کرتی۔ اسلام تو وہ آخری پیغام ہے جسے اللہ عزاسمہ، نے انسان وانسانیت کے لئے پسند کیا۔ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی پیغام کے لئے بھیجا۔ اسلام زندگی اور معاشرے کے لئے ایک شاہراہ ہے۔

اس پیام پر ایسا دینی نقش ہے جو تقدس واحترام کے رنگ میں رنگا ہوا اور یقین کامل میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسلام اور دوسرے نظام ہائے زندگی میں یہی فرق ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کے عقیدے میں دین کا درجہ نہیں رکھتے۔ انہیں وہ فائدہ نہیں پہنچاتے جس یقین کامل کا فائدہ دین دار لوگ اسلام سے حاصل کرتے ہیں۔ اسی فرق کا نتیجہ یہ ہے کہ دینی پیغام کے علمبرداروں میں عقیدے کی پختگی اور خلوص کا جو رنگ دکھائی دیتا ہے وہ دوسرے فکری مبلغین میں نہیں ملتا حالانکہ ان کی ذہانت اور شخصیت کبھی کبھی مثالی بھی ہوتی ہے اس حقیقت کے واضح ہونے کے بعد جب تاریخی مذاہب و پیغامات میں سے ایک مذہب کا موجد اور پرچارک مارکس یہ کہتا ہے:۔

''میں مارکسی نہیں ہوں۔''

اور اسلام کے رہنما علی بن ابی طالب علیہ السلام اپنے عقیدے کا بیان یوں فرماتے ہیں۔

''اگر پردے ہٹا دیئے جائیں تو میرے یقین میں اضافہ نہیں ہوگا۔'' علی علیہ السلام کا عقیدہ دین تھا اور دین کی فطرت ہے کہ وہ پرخلوص دینداروں کے قلب ودماغ پر چھا جاتا ہے اسی یقین سے کلی عقائد حاصل ہوتے رہتے ہیں اگر بفرض محال کچھ مان بھی لیا جائے تو مارکسزم ایک خالص علمی کوشش ہی تو ہے اس میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی جو مارکس کو مارکسی بنا دیتی اس میں قطعیت کی صفت پیدا ہی نہیں ہوسکتی تھی۔ مارکسیوں نے ایک بڑا عہدا پنے مارکسزم کو اٹھانے اور بڑا کھیل کھیلنے میں گزارنے کے بعد بھی قطعیت اور عقائدی تقدس کے حصول میں ناکامی اٹھائی اور اہل دین تقدس وقطعیت سے آج بھی بہرہ ور ہیں اس سے واضح ہو گیا کہ اسلامی پیغام کو دنیا میں وہ امتیاز حاصل ہے جو دعوت کی فضا میں مکمل ہم آہنگی اعتقاد پیدا کر سکتا ہے۔

﴿۲﴾ امید:۔

آرزو نور کی وہ کرن ہے جس سے کوئی دعوت بے نیاز نہیں ہوسکتی، جب کوئی تحریک کامیابی وکامرانی کی آرزو سے محروم ہو جاتی ہے تو وہ اپنا وجود اور حقیقی مفہوم دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے کیونکہ جس تحریک کے روبراہ ہونے کی امید ہی نہ ہو اس کے لئے کوشش بے کار اور مہمل ہے۔ اسی بنا پر مختلف تحریکوں میں حالات وواقعات کی روشنی میں حوصلے بڑھائے اور امیدیں دلائی جاتی رہتی ہیں۔ بلکہ حالات وواقعات پر قابو حاصل کیا جاتا ہے تاکہ امید بڑھتی اور اسی کے پس منظر میں قدم آگے اٹھتے رہیں۔ اس کے برخلاف اسلامی تحریک اگرچہ ماحول وحالات سے پیدا ہونے والی امیدوں پر بھروسہ ضرور کرتی ہے لیکن اس سے زیادہ خود اس تحریک کی روح میں بھی آرزو وتمنا آفرینی موجود ہے۔ یہ تحریک بذات خود اپنے رہنماؤں کے لئے امیدوں کی فضا کھولتی اور حوصلہ وعزیمت کو پروان چڑھاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسلامی تحریک کے رہنما حالات وماحول سے بے نیاز ہو کر اصل تحریک ہی سے امیدیں حاصل کرتے رہتے ہیں۔

اسلامی تحریک کا وہ پیشرو دستہ جس نے اسلام کی راہ میں مکے کی تکلیفات اس وقت برداشت کیں جب وہ نومولود تھا۔ تمام بڑی طاقتیں اسے مٹانے پر کمر بستہ تھیں، دشمن اس کا گلا گھوٹنے پر تیار تھے مگر ہراول دستہ اس امید میں جھوم رہا تھا کہ ظلم کا تختہ الٹ دے گا۔ سب کے تخت، کسریٰ کا ملک کسریٰ سے اور قیصر کا ملک قیصر سے چھین لیں گے۔ اگر ہم یہ کہیں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ یہی طاقتور امید ہی وہ حقیقی اور عظیم قوت تھی جس سے مسلمان فائدہ اٹھا رہے تھے اور مشکلات میں صبر و جانفروشی دکھا رہے تھے۔ ان رہنماؤں کے دل میں یہ امید اس پیغام کے سوا کوئی اور چیز پیدا نہیں کرسکتی ہے جس تحریک اسلامی کی فطرت اور اس کے یقینی نقش خداوندی اور حقیقی و روحانی مدد امید آفرین ہے۔ اس کے بعد مشکلات سے مقابلہ کرتے ہوئے کمزوری و کم ہمتی کا خیال بھی اس مسلمان کے قریب نہیں آتا جو آسمانی مشعل ہاتھ سے لئے ہو اور نصرت و امداد الٰہی اس کی پشت پناہی میں ہو۔ کل کی طرح آج بھی اسلامی تحریک اسی عالم میں ہے۔ رہنماؤں کے دلوں میں جذبہ بیدار پیدا کر رہی ہے۔ قرآن مجید کی آیتیں اور حدیث کی عبارتیں بشارت دے رہی ہیں۔ اسلام کی بنیاد پر مضبوط قدم اٹھانا اور خلوص نیت ہے تو نصرت و امداد کا وعدہ موجود ہے۔

﴿۳﴾ ذاتی جذبہ مدافعت:۔

عام انسان کے پاس کتنے ہی مثالی دفاعی وسائل ہوں اس کے باوجود ذاتی قوت دفاع کا زندگی اور مقابلے میں بڑا دخل ہے۔ بہت سی تحریکوں کو یہاں متعدد دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ تحریک مثالی کردار کا تقاضا کرتی ہے۔ ذاتی قوت مقاومت، قربانی، فداکاری جس سے حرارت و قوت اور قوت مدافعت بڑھے۔ اس مثالی کردار کے فقدان سے تحریکوں کے رہنما زود یا بدیر، اسٹیج سے غائب ہوجاتے ہیں، ان کے کردار آہستہ آہستہ مٹنے لگتے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے کردار ذاتی قوت کی بنا پر آتے ہیں اور وہ پیغام ایک مقابلے کے لئے پکارتا ہے رہنماؤں کے پاس وہ کردار نہیں ملتا۔ اسلام دوسری تحریکوں سے مختلف ہے وہ انا اور مثالیت دونوں کو ایک ساتھ مسخر کرتا ہے اور اسے

صالح پیرایہ دیتا ہے۔ اسلامی تحریک کا مزاج مسلمان کو مطمئن کرتا، اسے معاشرے کے لئے مثالی کردار بننے اور دلیرانہ فداکاری سے پہلے تحریک سے مخلص بناتا ہے، اس کی رہنمائی کرتا ہے اس راہ میں قربانی کے لئے آمادہ کرتا ہے یہ سب کچھ اس کا ذاتی عمل ہے جس کی جزا میں بے انتہا انعام پائے گا۔

اسلامی تحریک یوں انسانی قوتوں کو صالح انداز میں صف آرا کرتی ہے۔ انانیت کو معتدل بناتی اور اعلیٰ درجے کے وسائل دفاع کو ابھار کر تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق اقدام و مدافعت کے لئے مثالی کردار کا قالب دیتی ہے اس لئے اسلامی تحریک۔

عقیدہ و ایمان، امید و آرزو کی تحریک ہے۔

انسانی قوتوں کو بروئے کار لانے کی معتدل تحریک ہے۔

❁❁❁❁

ہمارا پیام،فکروشعورواحساس کی ہم آہنگی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الۡحَقِّ ۙ وَلَا یَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلُ فَطَالَ عَلَیۡہِمُ الۡاَمَدُ فَقَسَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ وَ کَثِیۡرٌ مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ﴿۱۶﴾

کیا ابھی تک اہل ایمان کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا اور جو حق باتیں اس نے اتاری ہیں ان کے لئے نرم ہوں پہلے والوں کی طرح نہ ہوں کہ انہیں کتاب دی گئی تھی ان کی مدت بہت دراز ہوئی ان کے دل سخت ہوئے اور ان میں سے اکثر لوگ تو فاسق تھے۔[۱]

جن کی عقلوں کو ایمان نے منور اور جن کے دلوں میں ایمان نے گھر کر لیا، آسمانی پیغاموں میں سب سے بہتر پیغام مجسم ہوا اور حق ان کے سامنے واضح ہو چکا کیا ابھی تک ان کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ایمان ان کے دلوں سے موج در موج جذبات کی شکل میں اٹھے اور اسی ایمان کے خمیر و جوہر سے خاص اثر انگیزی کا مظاہرہ ہو۔حق کے لئے دل جھکیں اور

[۱] سورۂ الحدید:۱٦

اس کے احکام کے لئے ہمہ تن گوش بنیں۔

اسلام پکار رہا ہے۔ضرورت ہے،فکر واحساس وعقیدہ کو ہم آہنگ کرو،جذبات اور رنگارنگ اثرات کو دیکھو گے تو عقیدے میں زندگی آئے گی اور عقیدہ ہی حرکت وقوت دفاع کا سرچشمہ بنے گا۔فقط عقل کا سوچ بچار نہ حرکت پیدا کرتا ہے نہ احساسات ابھارتا ہے نہ زندگی کروٹ لیتی ہے۔

اسلامی تحریک کی عوامی سیاست یہی ہے۔اسلامی تحریک فکر واحساس کی تحریک ہے اس سے بڑھ کر جذبات ومفاہیم کو عقیدے کے سانچے میں ڈھالنے کی تحریک ہے۔ایسی خالص فکری تحریک نہیں جس میں عقیدے کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھالا جاتا اور اس کے بعد بس جیسے خالص فلسفی دبستان ہیں۔اسلامی تحریک پست جذباتی سطح کی تحریک بھی نہیں جو فقط جذبات سے کھیلتی ہے اور خاص فکری سانچے میں ڈھالے بغیر انہیں بھڑکانا سکھاتی ہے۔اسلامی دعوت کا انداز نرالا ہے۔وہ فکر کو جذبے سے ہم آہنگ کر کے فکری بنیاد پر احساسات کو ابھارتی ہے اسی وجہ سے وہ اسلامی شخصیت سازی اور جذباتی توجہ کے باوجود فکری انداز کو بچائے چلی آتی ہے۔انسان،کائنات،زندگی اور مختلف مفاہیم میں اسلام کا زاویہ فکر وعمل سب سے جدا ہے۔

اسلامی جذبات ہمیشہ اسلامی افکار ومفاہیم کا نتیجہ ہوتے ہیں اور اسی کے انعکاس وانفعال سے ابھرتے ہیں۔اسلام تمام مفاہیم وعقائد میں ہر عقیدے اور ہر مفہوم کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ خاص رجحان کا سرچشمہ بنے اور ہر عقیدے کو مفہوم کے ساتھ یکجا کرتا ہے۔مذکورہ بالا آیہ کریمہ میں ہمیں یہی تعلیم نظر آتی ہے۔آیت میں جس خوبصورت انداز سے شریعت حقہ پر ایمان کو قلب کی نرمی سے ملایا گیا ہے ایمان اسی جذباتی انفعال یعنی خشوع کا مطالبہ کرتا ہے اس کے بغیر کوئی ایجابی فعالیت وجود پذیر نہیں ہوتی۔

عقل وجذبے کا باہمی ربط اسلام میں صاف دکھائی دیتا ہے کیونکہ اسلام حقائق و افکار کو عمل اور مطابقت کے بغیر مانتا ہی نہیں۔چونکہ وہ مکمل زندگی اور اس کے افق کے

لئے، زندگی کے حدود کی تعمیر کے لئے مضبوط امنگ کا مطالبہ کرتا ہے اور افکار و جذبات میں یہ صلاحیت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ رجحان کا روپ اختیار کر لیں۔ مسلمان جب مناسب اثر پذیری اور اسی تناسب سے جذبات پیدا کر لیتا ہے تو ان جذبات کو عوامی رابطے اور عملی زندگی میں مثبت طور پر استعمال کرتا ہے مثلاً مساوات ہی کے مفہوم کو دیکھیے اسلامی مفاہیم میں ''مساوات'' ایک اہم مفہوم، ہے ایسا مفہوم جس کا مطلوبہ نتیجہ عملی طور پر برآمد ہونا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اس سے ایک ایسا جذبہ پیدا نہ ہو جو عمومی اخوت کو جنم دے۔ اسلام نے مسلمان کے دل میں اس جذبے کو پیدا کرنے کا عمل انجام دیا پھر اسے اپنے خاص مساوات کے مفہوم سے وابستہ کر دیا اب یہ مفہوم رجحان و شعور بن کر ابھرا یہ شعور مفہوم کے تقاضوں کے مطابق اپنا رخ متعین کرتا اور حرکت پیدا کرتا ہے۔ اس تمہید کے بعد ہمارے پیام (فکر و شعور) کی ترتیب یوں بنتی ہے۔

﴿ا﴾ اسلامی شخصیت میں جس طرح عقیدہ کا فکری قانون کے مطابق ہونا ضروری ہے اسی طرح ہمارے افکار و مفاہیم کو جذبات و احساسات پر غالب اور ایک دوسرے سے ہم آہنگ بھی ہونا چاہئے یعنی جس اساس پر اسلامی شخصیت ابھرتی ہے رجحانات کو بھی اسی اساس پر ابھرنا چاہیے اور مختلف وسائل اور اسی قسم کے مختلف اندازوں سے اسے بھی بڑھنا، پھیلنا چاہئے کیونکہ اسلام جن رجحانات کا ہونا مسلمان میں پسند کرتا ہے وہ رجحانات وہی ہیں جو فکری ہوں یعنی وہ جذبات جو معین فکری مفاہیم پر مبنی ہوں۔

جن چیزوں سے اسلامی فلسفہ عقلیت وجود پذیر ہوتا ہے ان افکار و مفاہیم میں بنیادی ضابطہ تو اسلام ہی ہے جس کا فطری نتیجہ یہ ہے کہ گہرے سے گہرے جذبات اور ان کا سر چشمہ اسلامی نفسیات کو جنم دیتا ہے اب پیام جس قدر گہرائی میں جائے گا اور جس حد تک مسلمان کے احساسات کے مرکز سے قریب ہوگا اسی قدر نفسیاتی شخصیت بلند ہوگی اور اس پر اسلامی رنگ اتنا ہی غالب ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے فکری شخصیت کی بلندی کا دارومدار اسلامی اساس اور اسلامی رنگ اور اسلامی مرکزیت کی گہرائی پر موقوف ہے۔

اسلامی نفسیات میں اسلامی عقیدے کو گہرے سے گہرے جذبات کا سرچشمہ بتاتے ہوئے قرآن مجید نے کس قدر دل کش انداز میں تشریح فرمائی ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾

کہہ دیجئے، اگر تمہارے باپ دادا، بیٹے پوتے، بھائی، بیویاں، قوم قبیلہ، جمع کیا ہوا مال وہ تجارت جس کے گھاٹے سے ڈرتے ہو اور منزل و مکان تمہیں اللہ، اس کے رسول ﷺ اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہیں تو اللہ کے حکم آنے تک ٹھہرو۔ اللہ فاسق قوم کی رہنمائی نہیں کرتا۔ [۱]

اسلامی عقیدہ اسلام کے نزدیک مسلمان کے نفسیات میں گہرے جذبات کا سرچشمہ ہوتا ہے جیسے اللہ، رسول اور رسول ﷺ کے پیام سے محبت کا ایسا جذبہ جو ہر جذبہ سے بالاتر ہو جس کے بعد تمام روابط بے وزن ہو جائیں۔ پدری رشتہ ہو یا فرزندی کا، برادری ہو یا عائلی وقبائلی، مالی ہو یا تجارتی اور مکانی ہر رشتے سے مافوق اسی کلیہ کی بنیاد پر ہر مرحلے اور ہر واقعے میں جذبات کو پرکھا جانا چاہئے۔

﴿۲﴾ چونکہ اسلام کا عام دستور یہی ہے کہ فکر کو جذبے سے ملایا جائے اس لئے اسلامی تحریک میں فکر کو نشر واشاعت اور ذرائع ابلاغ عامہ میں بھی جذبات سے ملایا جانا چاہئے اور معاشرے میں پھیلے ہوئے جذبات جو سیاسی فائدہ پہنچا سکتے ہوں انہیں اعتماد میں لینا چاہئے کیونکہ نشر واشاعت میں معاشرے کی بات بھی مفید ہے عوام اور ان کے جذبات

---

[۱] سورۂ توبہ: ۲۴

بھی ایک طاقت ہیں۔شرط یہ ہے کہ ان رجحانات پر اسلامی رنگ ہو اور ان کی بنیاد معین فکری مفاہیم پر ہو اور وہ اسلام کے عمومی نظریے سے متفق ہوں۔

سطحی جذبات اور بہاؤ پر آئے ہوئے رجحانات جو کسی معقولیت پر قائم نہیں ہوتے جو فکر سے زیادہ احساس کو تیز کرتے ہیں۔تحریک کو ایسے جذبات پر اعتماد نہ کرنا چاہئے کیونکہ سطح قسم کے جذبات اور گھٹیا قسم کے نعرے معاشرے میں سچی فکری دعوت و تحریک کے لئے خطرہ بن جاتے ہیں وہ تحریک جو قوم کا ذہن بلندی اور فکری معیار فوری ہیجان اور سادہ وقتی اشتعال انگیزی سے بلند رکھنا چاہتی ہے۔

سطحی قسم کے جذبات ورجحانات سے زیادہ خطرناک وہ رجحانات ہیں جن کی جڑیں نفسیاتی طور پر اپنے افکار سے غذا حاصل کرتی ہیں جو افکار تحریک کے مفاہیم سے تضاد رکھتے ہیں۔اگرچہ تحریک کے لئے امکان ہوتا ہے کہ وہ ان رجحانات سے معین مدعا حاصل کرنے کا کام لے اور ان کے ذریعے میدان میں دوسری تحریک کی قوت کچل دے یا صرف وقتی طور پر ان سے فائدہ اٹھائے اور انہیں استعمال کرے۔چنانچہ بعض تحریکیں ایسی ہیں جو بعض مرحلوں میں زیر زمین چلی جاتی اور عوامی رجحانات کے مطابق ڈھل جاتی ہیں حالانکہ ان کا فلسفہ عوام کے مضمرات وجذبات کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔

فکری تحریک وہ بھی اسلامی تحریک ہے جس کا نصب العین ہر بات سے پہلے یہ ہے کہ وہ قوم کو عقلی اور نفسیاتی ہم آہنگی عطا کرے اور اسے فکری وجذباتی یکسانیت کے سانچے میں ڈھال دے،کسی صورت میں بھی یہ نہیں کرسکتی کہ وہ مخالف فلسفیوں پر مبنی جذبات کو بھڑکائے اور فوری ضرورت کے لئے ان سے کھیلے اس کے بعد لوگوں کو بیچ راہ میں چھوڑ دے ورنہ یہ تحریک اس حقیقی فساد کی مددگار ہوگی جسے ختم کرنے ہی کے لئے پوری تحریک بروئے کار آئی اور جس کے خلاف انقلاب برپا کرنا چاہتی ہے۔

اسلامی تحریک کی عوامی سیاست یہ ہے کہ قوم میں پھیلے ہوئے ان جذبات سے فائدہ اٹھایا جائے جو اسلامی شعور اور پیغام سے ہم آہنگ ہوں تا کہ قدم قدم پر پھیلے ہوئے

کفر کے مورچوں کی طرف انہیں بڑھایا جاسکے اور گھٹیا رجانات سے قوم کو دور رکھا جائے۔ ان کے اندر اسلام سے تعارض رکھنے والے فکری نشانات کو دھو دھلا کر صاف شفاف صحیح قالب میں ڈھالا جائے تا کہ وہ جذبات آسمان پیام اسلام کے گرد چکر لگائیں ایک فقرے میں یوں سمجھیے کہ اسلامی تحریک افکار وجذبات میں ایسا تعلق چاہتی ہے جس سے قوم میں ایسے رجانات پیدا ہوں جنہیں اسلام ترجیح دیتا ہے۔

تحریک کی کامیابی کا اندازہ فکری میدان میں کرنا ہو تو قومی افکار میں تحریک کے فلسفے کے رچاؤ اور اس کی حد دیکھی جائے۔ نفسیاتی میدان میں یہ دیکھنا چاہئے کہ عوامی رجانات کس حد تک ان تصورات سے ہم آہنگ ہیں اور پیغام پر یقین سے جذبہ محبت تحریک کس طرح ابھرا ہے، کیا اس راہ میں فدا کاری اور اس کے لئے دل میں مکمل میلان اور نرمی کا اثر قول وفعل دونوں پر نمایاں ہوا ہے۔

''کیا ابھی تک اہل ایمان کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکر خدا اور جو حق باتیں اس نے نازل کی ہیں ان کے لئے نرم ہو۔ پہلے والوں کی طرح نہ بنو کہ انہیں کتاب دی گئی تھی ان کی مدت بہت دراز ہوئی ان کے دل سخت ہوئے اور ان میں سے اکثر لوگ تو فاسق تھے۔''

صدق اللہ العظیم

اللہ بزرگ و برتر صادق القول ہے

❀❀❀❀

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام اوراس کے بنیادی اصول

ہرتحریک کے چند ایسے نمایاں نشانات ہوتے ہیں جو اس کے خصوصی مزاج کو دوسری تحریکوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ خودتحریکیں بھی قہری طور پر اپنے اپنے سمبل اور نشانات وعلامات رکھتی ہیں۔ یہی علامتیں ان کے تصورات وافکار کی نمائندگی کرتی ہیں چنانچہ اسلامی تحریک کے بھی نمایاں نشانات اور خاص علامات مختصر طور پر یوں بتلائے جا سکتے ہیں۔

﴿ا﴾ روحانی نظریہ، کائنات اور زندگی میں عمومی طور پر اس کا اطلاق:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ کائنات کے مادی وجود کا انکار کیا جائے۔ اسی وجہ سے مغربی مصنفین کی یہ تعبیر بھی غلط ہے کہ دائرہ وجود روح وروحانیت میں منحصر ہے اور بس۔ دراصل اسلام روحانی و مادی دونوں حقائق کوتسلیم کرتا اور دونوں کے باہمی ربط کا قائل ہے اور ان روابط کا سبب اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے۔ لہٰذا روحانی نظریہ سے مراد یہ ہے کہ زندگی اور کائنات سے اس رابطہ کو دریافت کیا جائے جو اللہ تک پہنچاتا ہے اور یہ کہ سب کچھ اسی ذات سے وجود پذیر اور اسی کی قدرت وتقدیر سے ظہور میں ہے۔ اس نقطہ نظر سے کائنات کو عمومی معنی میں روحانیت سے مربوط کیا جاتا ہے یا کائنات کا خالق وموجد سے رشتہ خلق وایجاد کا ہے اور یہ تعلق جس طرح روح سے ہے اسی طرح مادے سے ہے اور یہی کائنات اور حقائق کائنات کی سیاست ہے۔

روحانیت کا یہ نظریہ اصل میں ایک بہت بڑی حقیقت ہے یہ فقط نظریہ ہی نہیں

بلکہ اس کا انسان کی عملی زندگی سے مکمل اور بھرپور رشتہ بھی ہے۔ یہ رابطہ انسان سے ان روابط کی حد بندی کرتا ہے جو اسے اس دنیا میں حاصل ہیں جس میں وہ رہتا سہتا، مدد لیتا اور زندگی بسر کرتا ہے۔ یا جس کا انعکاس اس کے ارادوں اور عملی نظام پر پڑتا ہے۔

﴿۲﴾ فکر میں عقلی انداز:

سوچنے کے دو انداز ہیں۔ایک ''عقلی انداز'' جس میں عقل آخری قوت حاکمہ اور بنیادی پیمانہ ہے اسی ناپ سے فکر تولی جاتی ہے اسی کسوٹی پر معلومات کا کھرا کھوٹا ہونا جانا جاتا ہے۔ دوسرا انداز ''تجربیاتی فکر'' ہے۔اس راہ میں عقل دور پھینک دی جاتی ہے اس سے اس کا منصب چھین لیا جاتا ہے اسے تجربہ گاہ میں بٹھا کر کہا جاتا ہے کہ حقائق اور نتائج حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ تجربے کئے جا۔

سچ تو یہ ہے کہ عقل دوست اور تجربہ پسند دونوں گروہوں نے غلطی کی اور برے نتائج دیکھے عقلیت کے طرفدار عقل کا ڈھنڈورا پیٹتے رہے لیکن خود عقلی معیار کو عملی نہیں بنا سکے۔ یہ لوگ بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچے کہ ہر مسئلے کے تمام گوشے عقل کے دائرے میں محدود کر دیئے اور مشاہدے کو کالعدم مان بیٹھے۔عقل خالص کو واقعات و معلومات عامہ بھی مہیا کرنے پر مجبور کر دیا۔حتیٰ کہ ان مسائل میں بھی اسے کھینچ لائے جہاں اس کا دخل نہیں تھا۔اس طرح وہ تجربوں کے چشمے اور اس سے ابلنے والے حقائق و نتائج سے فائدہ اٹھانے کا موقع کھو بیٹھے اس کی واضح ترین مثال دیکھیے۔

صدیاں گزر گئیں۔عقل پرست یہ جاننا چاہتے تھے کہ مادہ جن اجزا سے بنا ہے ان ذرات میں خول ہے یا وہ حقیقی طور پر متصل ہیں اور ان میں خلا نہیں ہے۔

عقلیت پسند سمجھتے تھے کہ عقل کی راہ سے وہ بحث کرتے کرتے آخری بات معلوم کرلیں گے نتیجے میں نظریہ تصالیہ اور نظریہ انفصالیہ پیدا ہو گیا۔ دونوں نظریوں کے حامی تجربہ چھوڑ کر خالص بحث میں الجھ گئے اور حتمی فیصلہ نہ کر سکے کیونکہ کائنات کے تحلیلی مسائل میں عقل فطری طور پر پہلو بچاتی ہے وہ تجربے کے بغیر یہ ادراک نہیں کرسکتی تھی کہ جسم ذرات

سے مرکب ہے یا نہیں اور ذرات ہیں تو کس قسم کے۔ اگر عقلیت پسند حضرات تجربے سے رجوع کر لیتے اور اس سے بات کرنے کے بعد عقل سے آخری فیصلہ طلب کرتے تو خشک بحث سے ہزار درجہ بہتر ہوتا۔ دوسری غلطی اس گروہ نے یہ کی کہ کم از کم عملی مرحلے میں بھی بحیثیت عقل کے عقل کی ایسی ذمہ داریاں طے نہ کیں جو فکر کی اساس و معیار بنتیں۔

تجربہ پسند گروہ نے اس کے برعکس دوسرا رخ اختیار کیا اور گذشتہ عقلی رجحان کو رد کر کے تجربہ کو حقائق و اسرار کے فاش کرنے کا آخری ذریعہ مان لیا۔ تجرباتی معلومات کو دیکھ کر وہ حواس کھو بیٹے اور چونکہ عقل سے یہ تجربات حاصل نہیں ہوئے تھے لہٰذا وہ سرے سے عقل کو استعمال کرنے سے بے نیاز ہو گئے حالانکہ بہت سے مقامات پر تجربہ نتیجہ بخش ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تجربے کے حامیوں کی اکثریت ان روحانی حقائق سے دور ہو گئی جو تحرباتی رصدگاہ کے دائرہ کار میں نہیں آتے۔ بہرصورت عقلیت پسند عظیم تجربیاتی سرمائے سے اور تجرباتی حقیقتوں ہی کو ماننے والے اس زبردست عقلی روحانی دولت سے خالی ہاتھ رہ گئے۔

اسلام □ ان گروہوں اور ان کی بحثوں سے پہلے درمیانی موقف بتا چکا تھا۔ اس نے فکر انسانی کے لئے وسیع و کشادہ راستہ کھول رکھا ہے اس راہ سے آدمی ہر میدان میں جا کر بہتر سے بہتر نتائج حاصل کر سکتا ہے۔ اس نے عقلیت پسند افراد کو ایسی بحث سے روکا جس میں پھنس کر وہ کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور ایسی تجربہ پسندی پر قدغن لگا دی ہے جس سے مادیت کی بے عقلی جنم لیتی ہے اس طریق کار کا حاصل یہ ہے کہ تجرباتی اور حسی مطالعہ کے ذریعے جو معلومات حاصل ہوں وہ فکری کسوٹی اور قوت حاکمہ مان کر عقل کے سامنے پیش کرے اور عقل کو پرکھ کا ذریعہ بنائے۔ مادے کی دسترس سے باہر اور خود مادی معلومات کی ترتیب و تنظیم عقل کے ہاتھ میں دے کر ان سے نتائج حاصل کرے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ

کیا ان لوگوں نے زمین کے چکر نہیں لگائے کہ ان کو ایسے

دل ملتے جس سے وہ عقلی کام لیتے ۔[1]

زمین پر چلنا پھرنا اور رنگارنگ حقائق کے لئے تجرباتی حدود میں محدود نہ کر لے بلکہ محسوسات میں عقل کو حاکم مانے، تجربے کرے اور ماورا تجربہ کو عقلی طریقوں سے دریافت کرے اور یہ عمل متصل و مسلسل رکھے ۔[2]

﴿۳﴾ معیارِ عمل:

اسلام نے جس عملی معیار کی بشارت دی ہے وہ کائنات اور زندگی کے خاص نظریئے کی بات ہے۔ جب تک انسان کا تعلق زندگی اور متعلقات زندگی مادی اور روحانی فضا عطا کرنے والے سے ہے اس وقت تک یہ معیار ''اللہ کی رضا'' ہے۔ یعنی اسے اپنی زندگی کو اللہ کی رضا میں ڈھالنا چاہئے۔

وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

وہ لوگ اللہ کی رضا کے پیرو کار رہے اور اللہ بہت عظیم فضل کا

مالک ہے۔[3]

یہ معیارِ عمل انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی زندگی کے لئے یکساں ہے اور سیاسی اقتصادی اور اخلاقی میدانوں میں یکساں کارآمد ہے۔

اسلام انسان کو تمام مراحل میں اللہ کی رضا اور اللہ کی طرف متوجہ رہنے کا پابند کرتا ہے یہ معیار ہر معیار سے بہتر اور بالاتر ہے۔ فلسفہ اخلاق کے ترجمان جو معیار پیش کرتے ہیں وہ حیات و کائنات کے عمومی نفسیات کے زاویہ سے ماخوذ ہے اس میں اتنی جان نہیں

---

[1] سورۂ الحج: ۴۶

[2] قیام پاکستان اور انقلاب اسلامی ایران اور اب تازہ واقعہ شکست عراق اور خومشہر کا عراقی فوجیوں سے چھینا جانا مذکورہ بالا فکری نظریہ کا تجرباتی مشاہدہ ہے۔
مرتضیٰ ۳۰ رجب ۱۴۰۲ھ یوم فتح خرمشہر۔ (قم)۔

[3] سورۂ آل عمران: ۱۷۴

ہے کہ عملی میدان کے تضاد کو دور کر سکے۔ مثلاً اخلاقی فلسفے کے نظریات خواہ عمومی اور غیر محدود ہی کیوں نہ بنائے جائیں عوامی معاشرے لذتوں اور نفع اندوزیوں کی بنیاد پر آپس میں بہرحال ٹکراتے رہیں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک معاشرے میں لوگ ذاتی نفع اور لذت میں ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی لذت فرد اور سوسائٹی کے لئے نفع بخش ہوتی ہے لیکن وہی لذت دوسرے فرد اور معاشرے کے لئے نقصان دہ بن جاتی ہے۔ انسان نے ان ناقص معیاروں کو اپنا کر طرح طرح کی بلاؤں میں اپنے تئیں الجھا لیا ہے اور ان نظریات نے انسان کو تصادم اور داخلی جنگ میں پھنسا رکھا ہے۔ اس کے مقابلے میں جب انسان اسلام کے معیار عمل کو اپنا لیتا ہے تو تصادم اور جنگ کے تمام رنگ اڑ جاتے ہیں کیونکہ اللہ کی رضا میں تضاد و اختلاف نہیں ہے۔

اسی معیار کے مطابق سرکون اور باہمی تعاون رکھنے والا معاشرہ پیدا کیا جا سکتا ہے اور ایسے معاشرے میں اگر کہیں مقابلہ ہو بھی تو اس کی نوعیت یہی ہوگی کہ اللہ کی رضا کس حد تک کون حاصل کرتا ہے یہ نجی اور مادی نوعیت کا مقابلہ نہیں ہوگا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام مثالی ہونا چاہئے

مغربی تہذیب اپنے افکار اپنے تصورات اور اپنے سماجی ڈھانچے میں ایک فکری قانون پر بھروسہ کرتی ہے اس کا نام ''ڈیموکریسی'' عوامی حکومت زیادہ بہتر لفظوں میں اس کی یہ تعبیر ہے کہ ''فکری، دینی، سیاسی اور اقتصادی بڑی بڑی آزادیاں'' مغرب کے تہذیبی نقطہ نظر سے یہی آزادیاں مغربی فکری پرواز کے مرکزی نقطے ہیں۔ اسی کے ارد گرد، انسان زندگی، کائنات اور معاشرے کے بارے میں اہل مغرب کے تصورات و افکار چکر لگاتے ہیں۔ مغربی مفکرین کے عمومی رجحانات کو اسی مرکز پر قائم کرنے میں اچھی خاصی مدت صرف ہوئی۔ انہوں نے اسے انسانی اور معاشرتی علوم کا نام دیا لیکن جس نقطے کو انہوں نے اپنایا تھا اس کے مطابق پیام کے طور پر انسانیت کی بحث خود ان کے یہاں عام قاعدہ نہ بن سکی۔

سیاسی اقتصادیات کے قوانین پر اقتصادی آزادی کا کوئی اثر نہیں۔ اسی طرح تحلیلی علم النفس کے بعض اسکولوں میں اس نفسیاتی رجحان کا کوئی وجود نہیں جسے فرائیڈ اساس و بنیاد تسلیم کرتا ہے۔ لاشعوری فلسفہ نفسیات والوں کے خیالات شخصی آزادی کے ضمن میں نظر نہیں آتے۔ یہ مثالیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ مغربی تہذیب کے افکار اور فکری اساس میں کوئی مضبوط رشتہ نہیں ہے حالانکہ اسی پر ان کے پیام کا دارومدار اور اسی معاشرتی پیام کی دعوت و بشارت دینا ان کا سرمایہ ترقی و افتخار ہے۔

کمیونسٹ تہذیب ہر میدان میں سرمایہ دارانہ نظام سے ٹکراتی ہے کیونکہ کائنات اور زندگی، معاشرے اور تاریخ کے بارے میں اس کا ایک خاص مادی نظریہ ہے جس کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ کم ہو یا زیادہ اس کا نظریہ ہی تمام افکار و آرا پر پرتو فگن ہے مارکسزم کی بنیاد اسی پر ہے اس کے مفکرین کا اسی پر ایمان و اعتقاد ہے۔

ہم فطری طور پر یورپی تہذیب میں اپنے پیام کو فکر کا مرکزی قانون نہیں قرار

دیتے، کیونکہ ہمارا مشن ہر میدان میں اور ہر منزل میں اتنی قوت رکھتا ہے کہ مفکر براہ راست اپنے مفاہیم وتصورات میں اس سے فائدہ اٹھائے اور وہ اس درجہ پر پہنچ جائے کہ اس کے تمام ادراکات اسی پیام سے برآمد ہونے لگیں اور اسی بڑے قانون سے اس کی شاخیں نکلیں بلکہ حقیقت میں پیام ہی کو ثقافتی افکار میں مرکزی جگہ حاصل ہوتی ہے۔ یعنی تہذیب ساز افکار پیام اور روح میں جوہری یکجائی ہمارے پیام کا مقصد ہے یہ فطری اور منطقی بات ہے کہ اگر پیام اور مشن صحیح ہے تو اسے اپنے مخالف پیام کو ہر میدان اور ہر فکر کو ہر موڑ پر مسترد کر دینا چاہئے کیونکہ افکار ہی وہ اساس ہیں جن سے ہر با مقصد تہذیب جنم لیتی اور مقصد کے سامنے جھکتی اور اس کے مخالف رخ سے بچتی ہے خواہ وہ مخالف زاویہ خود اسی نظریئے سے پیدا ہوا ہو یا کسی دوسرے سے۔ مغربی سطح پر دونوں متحارب نظریات کی جنگ سے یہ حقیقت ہر اس شخص پر واضح ہو جاتی ہے جو ان دونوں تہذیبوں کا مطالعہ کرتا ہے اس واقعی صورتحال میں ہمارا موقف یہ ہے۔

﴿۱﴾ ہمیں بڑی محتاط اور گہری نظر کا مالک ہونا چاہئے خصوصاً جب مغربی افکار کی چھان بین کرنا ہو، تا کہ ہم ان افکار کو ان کی پیامی فضا سے جدا کر سکیں اور یہ معلوم کر سکیں کہ افکار کا پیام سے اور پیام کا افکار سے رشتہ کس طرح کا ہے۔

یہی درمیانی موقف ہے جو ہر صاحب ہوش مسلمان کو اس وقت اپنانا چاہیے جب وہ قریب یا دور سے مغربی فکر کا مطالعہ کرے اور ان مراحل کو دیکھے جہاں اس کا مشن کام کرتا اور جہاں ان کا فکری اصول رشتہ استوار کرتا ہے۔ اس خطرناک رخ سے کبھی غیر محتاط نہ ہونا چاہئے۔ فکر اور فکری مطالعہ۔ اس سے قطع نظر کہ اس ضمن میں خاص فضا، یا فکری اصول پر مبنی کچھ نفسیاتی اثرات ہوتے ہیں۔ ہمارے بہت سے محقق مسلمان معاشرہ، نفسیات اور یورپی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے غیر محتاطی کا شکار ہوئے ہیں ہمیں پہلے اس نقطہ پر قدم جمانا چاہئے کہ جس قانون وکلیہ کی غلطی ہم پر واضح ہو اس کے فکری سلسلوں اور جڑوں کو دیکھنا اور بچنا چاہئے اس رشتے سے باخبر ہونے کے بعد پھر ہماری نظر کو اس حکم اور فکر پر مرتکز ہونا

چاہئے جو بحث ومطالعات کے بعد ہم حاصل کریں۔

بعض مسلمان رہنماؤں کا یہ رجحان بھی صحیح نہیں کہ انسانی زندگی سے متعلق مغرب کے ہر رجحان کو باطل مانا جائے۔ کیوں رجحان غلط ہے؟ اس لئے کہ قاعدہ کلیہ پر مبنی ہے اور جب تک قاعدہ کلیہ غلط رہے گا اس سے حاصل شدہ نتیجہ بھی غلط ہوگا۔ یہ دلیل غلط ہے۔

بات یہ ہے کہ نظریاتی معلومات معاملات میں کلیہ سے استنباط فکر اور چیز ہے اور نتیجہ برآری دوسری چیز ہے۔ نتیجہ برآری میں کلیہ سے پوری وابستگی اور اس کی رفتار ومنزل ایک ہوتی ہے۔ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ بعض اوقات فکر ایسا پیرایہ اختیار کر لیا کرتی ہے جو کلیہ قاعدے سے متضاد نہیں ہوتا، خواہ اس نے براہ راست اس کلیہ سے امداد لی ہو یا نہ لی ہو۔ پھر کلیہ وقاعدہ اگر غلط ہو جب بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر فکر غلطی کے خلاف نہ ہو۔ بلکہ غلط ضرور ہو۔

﴿۲﴾ دانشور مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ فکری ضابطے اور عمومی فضا اسلام سے حاصل کریں خواہ مسائل کا تعلق شہری تمدن سے ہو یا کائنات کے مفاہیم سے ہو۔ زندگی موضوع ہو یا انسان اور سوسائٹی، بلاشبہ دینی عقیدے میں بذاتہ یہ صلاحیت موجود ہے اور اہل دین اس پر قادر ہیں البتہ مسلمانوں کی اکثریت جو آج کل پائی جاتی ہے ان کا دینی عقیدہ حقیقی طور پر سمجھ بوجھ سے اس قدر آراستہ نہیں ہے جس پر کسی عمارت کی بنیاد رکھی جا سکے۔ عام مسلمان ہم اس عالم میں دیکھ رہے ہیں کہ وہ فکر عمومی میں ہمارے پیام کو وہاں نہیں بیٹھا سکتے جو اس کا اصلی وطبعی ٹھکانا ہے۔

اسلامی مشن اور مغربی مقاصد میں عمومی فکر کے نقطہ نظر سے جو فرق ہم دیکھ رہے ہیں اس کی بنیاد خود پیغام کی فطری صلاحیت نہیں بلکہ دراصل مختلف پیغامات کے مخاطبین کی موافق اور مخالف ذہنی صلاحیتیں ان کی توجہ اور عدم توجہی اس کا سبب ہیں۔

عملی وفکری میدانوں میں تعمیری پیام کی ضرورت کا تکلیف دہ احساس بلاشبہ موجود ہے پوری امت پر اس احساس کا قبضہ ہے۔ یہی وہ بہتر قسم کی بیداری ہے جس کی پہلی

کرنیں ادھر ادھر پھوٹ رہی ہیں اور یہی اندرونی تموج ہے جو اسلامی شعور کا طوفان اٹھانے والا ہے۔ یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ ہمارا مقدس مشن اپنے فطری مرکز کی طرف بڑھنا شروع کر چکا ہے اس مرکزی کلیے کی طرف جو اسلامی ذہن سے متعلق ہے جب مسلمان از سرنو اپنے مشن سے تجدید عہد کریں گے تقلیدی نہیں عقلی۔ اور اسلام سے صحیح قسم کا خلوص برتیں گے اوپری دل سے نہیں۔ اس انداز سے جو وراثت اور فطرت پر قائم ہے تو وہی حد ہوگی جہاں سے کامیابی کی راہیں کھل جائیں گی۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۵۳

ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق اور خود ان کے اندر دکھائیں گے تا کہ ان پر واضح ہو جائے کہ وہی حق ہے۔ کیا تمہارے رب کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔[1]

❁❁❁❁

[1] سورۂ فصلت: ۵۳

ہمارا پیام، اتحاد کا نشان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪

سب کے سب اللہ کی رسی کو تھام لو اور منتشر نہ ہو۔ [۱]

لَا یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ جَمِیۡعًا اِلَّا فِیۡ قُرًی مُّحَصَّنَۃٍ اَوۡ مِنۡ وَّرَآءِ جُدُرٍ ؕ بَاۡسُہُمۡ بَیۡنَہُمۡ شَدِیۡدٌ ؕ تَحۡسَبُہُمۡ جَمِیۡعًا وَّ قُلُوۡبُہُمۡ شَتّٰی ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿ۚ۱۴﴾

یہ لوگ تم سے ہمیشہ محفوظ قلعوں میں یا پس دیوار سے لڑیں گے ان کے آپس میں غیظ و غضب زیادہ ہے تم محسوس کرو گے کہ یہ متحد ہیں حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔ [۲]

اسلامی نعروں، اسلام کے عظیم شعاروں میں وحدت وہ شعار ہے جسے اسلام بار بار یاد دلاتا اور اس کی طرف بلاتا ہی رہتا ہے وہ زندگی پر اس کا مکمل پرتو دیکھنا چاہتا ہے تاکہ دشمن سے ٹکراؤ کے وقت، قوت و ہیبت و غلبہ حاصل رہے۔ مغربی سرمایہ داری اور سوشلزم و کمیونزم جس وحدت و اتحاد کا نعرہ لگاتا ہے اسلام کا اپنے پیروکاروں کو وحدت کی طرف بلانا اپنے اصول اور مظاہرات کی حیثیت سے ان سب میں ممتاز ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام معاشرت میں معاشرتی وحدت دکھائی دیتی ہے مگر اسی حد تک

---

[۱] سورۂ آل عمران: ۱۰۳

[۲] سورۂ الحشر: ۱۴

جب تک شخصی، جماعتی اور طبقاتی مفادات ایک ہوں، جہاں ان میں سے کسی ایک مفاد کوزک پہنچی یا نقصان کا خیال آیا وہیں سے اختلاف، پھوٹ اور خنے پڑے اور صاف نظر آنے لگا کہ یہ اتحاد دھوکے کا شاخسانہ تھا۔ اس کی سب سے بڑی مثال ''فرانس'' ہے کہ خطرناک ترین لمحات میں اس کی وحدت پارہ پارہ ہوئی جس کے نتیجے میں اسے چند گھنٹوں کے اندر جرمنی فوجوں کے سامنے موت قبول کرنی پڑی۔

مارکسی معاشرے اور اس سے پہلے نازی اور فاشی نظام معاشرہ میں ہم پوری سوسائٹی کو ایک تو دیکھتے ہیں لیکن اصل میں یہ دور سے نظر آنے والی اکائی ہے۔ ایسی اکائی جس میں ہر فرد بشر کی قیمت کا انکار ہے اس کی قوت کو نشوونما حاصل کرنے، آزاد فضا میں اپنی قوتوں کو بروئے کار لانے اور ان کو پھولتے پھلتے دیکھنے کا حق نہیں ہے ایسی وحدت جو خوشی اور اختیار کے بجائے جبر وزور پر قائم ہے ایسی وحدت جو حکومت کے شکنجے کا نتیجہ ہے اسے دل ودماغ کے چشمے سے ابلنے اور شعور انسانی سے ابھرنے کا کوئی تصور نہیں۔ لہٰذا جیسے ہی افراد میں احساس ذات بیدار ہوا اسی لمحے یہ وحدت زوال پذیر ہوجائے گی جو وحدت بھی اندر سے پیدا نہ ہو وہ جعلی ہے اسے ایک دن بہرحال ختم ہونا ہے کیونکہ اس اتحاد کا افراد کے دل ودماغ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ صحیح قسم کا اتحاد وہ ہوتا ہے جس میں افراد کے باہمی رشتہ الفت ومودت ومحبت کی گہرائیوں۔ اور نفسیاتی ہمدردیوں کی بنیاد پر استوار ہوں، اس قسم کی وحدت کے لئے دین سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے۔ دین ہی مضبوط قلبی گہرائیوں سے اس وحدت کو ابھار سکتا ہے افراد اور جماعتوں اور مختلف طبقات کے منافع کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں اس وحدت کی بنیاد چونکہ سب میں مشترک ہوتی ہے سب میں اس کی جڑیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں اس لئے ہم آہنگی اور وحدت باقی رہ سکتی ہے۔

اسی اتحاد کو قائم کرنے کے لئے اللہ نے اپنے متقی بندوں کو پابند کیا ہے۔ یہ وحدت منافع کی بنیاد پر نہیں یہ وحدت کسی کو نیچا دکھانے کی خاطر نہیں یہ وحدت مومن باللہ کے دلوں سے ابلتی ہے وہ دل جو اللہ کی خاطر عمل کرتے اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ یہ وحدت

انسانی کائنات میں پھیلی ہوئی ہے اسی وحدت کو مستحکم اور بلند رکھنے کی اسلام دعوت دیتا ہے۔اس وحدت میں فرد کی کوششوں اور اس کی شخصیت کے نشوونما کے لئے وسائل، کامیابی کے ذرائع اور مختلف سمتوں میں توازن کی ضمانت دیتا ہے کوئی گروہ دوسرے پر غلبہ کے لئے کوئی صلاحیت استعمال نہیں کرسکتا۔اسلام حقائق کا ساتھ دیتا ہے وہ مسلمانوں کو دعوت اتحاد دے کر انہیں ایسے معاشرتی ڈھانچے میں یونہی نہیں چھوڑ دیتا کہ دوسرے عناصر اسے چیلنج کرتے پھریں۔ وہ اس وحدت کی برقراری وتحفظ اور طبقات وافراد کے منافع یا عمومی مصالح کے لئے تسلسل کی فراوانی پیدا کرتا ہے کہ تصادم نہ ہو، ورنہ یہ معاشرہ ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کردے۔وہ ہر قسم کا اہتمام کرتا ہے وہ پہلے صحیح عادلانہ مقام دلاتا ہے پھر وحدت کی دعوت دیتا ہے یہ وحدت دلوں سے نکلتی ہے یہ فقط مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ اس کا مظہر آسمانی پیام کے ماننے والے تمام مومنین بنتے ہیں۔

مسلمانوں کی اس وحدت کا سب سے خوبصورت مظاہرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا پھر مسلمان رہنماؤں کے دور میں جس کا نمایاں باب امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام ہیں۔آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تا حدامکان اس کی نگہداشت فرمائی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو اپنے کثیر دشمنوں پر بالادستی حاصل ہوئی۔کیونکہ دشمنوں کے دل منتشر، ان کے افراد متفرق، ہر دل میں ایک غرض، ہر قلب میں ایک خواہش تھی۔ چنانچہ اللہ نے اسلام کے تقلیدی دشمن یہودیوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کے باہمی اختلاف اور اس سے پیدا ہونے والی کمزوریوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔

بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ

ان کے آپس میں قہر وغضب زیادہ ہے۔تم یہی سمجھو گے کہ وہ ایک ہیں مگر ان کے دل الگ الگ ہیں۔ [۱]

---

[۱] سورۃ الحشر: ۱۴

اور مسلمانوں کا عالم بالفاظ قرآن مجید یہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۝۴

اللہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کی راہ میں یوں
لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی دیوار ہو۔ [۱]

مظاہرات میں سیسہ پلائی دیوار، وحدت میں سیسہ پلائی دیوار، اجزا کی پوستگی میں سیسہ پلائی دیوار، کائنات، زندگی اور انسان سے متعلق نظریئے میں سیسہ پلائی دیوار، وسائل اور مقاصد میں سیسہ پلائی دیوار۔

لیکن مسلمانوں کا یہ زرق برق ظاہر اس وقت دگرگوں ہوگیا جس دن خود مسلمان دگرگوں ہوگئے۔ اسلام سے دور ہوئے اور ان کے دل و دماغ اسلام کے علاوہ دوسری دعوتوں کی طرف بٹ گئے۔ ان کی امنگیں دوسروں سے متاثر ہوئیں ان لوگوں کے نصب العین اسلام سے مختلف ہوگئے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ

اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ
خود اپنی حالت نہ بدل لے۔ [۲]

آج مسلمانوں کا وجود دنیا کے دامن پر داغ بنا ہوا ہے۔ استعماری اور کنبہ پرور صلیبیوں کی نظر میں الحادی مادی نظریات کے لئے جو ان کے اختلاف کی وجہ سے ان کے اوپر حملہ آور ہے۔ یہ ہر جگہ اختلاف کا شکار ہیں۔

گمراہ و گمراہ کن تحریکیں ان کی نسل جدید کو اسلام سے دور کر رہی ہیں۔ بت پرستانہ افکار و تصورات ان کے افکار و جذبات کے درمیان دیوار کھڑی کر رہے ہیں۔

---

[۱] سورۂ الصّف: ۴

[۲] سورۂ الرعد: ۱۱

استعماری طاقتیں اسلامی معاشرے کو آج کی زندگی سے ہٹا کر ایسے معاشرے افکار اور اصول فکر و احساس میں لئے جارہے ہیں جن کا تعلق معاشرے کے مسلمان ہونے سے پہلے تھا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان معاشروں میں قدیم جاہلی دور کی بتوں جیسی شخصیتیں زندہ کی جا چکی ہیں۔ اسی بنا پر ان معاشروں اور اسلامی اقدار کے درمیان حائل ہو گئے عین اس وقت جب ان کے دل و دماغ اسلامی مقاصد کی طرف متوجہ تھے انہوں نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔

آج مسلمانوں کی پراگندگی، اختلاف اور دل و دماغ کے انتشار کا عالم سب کے سامنے ہے عالم اسلامی کے بیچوں بیچ فلسطین موجود ہے۔ عوام کا وہ ٹولہ جس کی قدر مشترک نہ زبان ہے نہ وطن، نہ ثقافت ایک ہے نہ عادتیں یکساں ہیں نہ رسم ورواج اور پرانی روایتیں۔ مٹھی بھر آدمی دنیا بھر کے علاقوں سے لاکر ایک جگہ اکٹھا کر دیئے ہیں یہ لوگ اپنا وجود منوانا اور ذات بنانا چاہتے ہیں، ان کی حقیقت و ماہیت واضح طور پر دینی وحدت کے سہارے ممتاز ہے۔ دین یہودیت کے سوا اور ان کے پاس کچھ بھی نہیں وہ اپنی زندگی کے تمام مظاہر میں اسی دین کو سامنے لا رہے ہیں تا کہ یہ نقطہ اشتراک ان میں اور ان کے وجود کے درمیان مستحکم ہو جائے اور اس کے سہارے ان کا وجود باقی رہ سکے۔

یہ حال ہے یہودیوں کا وہ اپنے تجربوں کی روشنی میں آگے بڑھ رہے ہیں اور اس پر سختی سے قائم ہیں۔

یہ تجربہ یہودی آج کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کی آنکھوں اور کانوں کے سامنے مسلمانوں کے ایک علاقے میں جو علاقہ انہیں مسلمانوں سے چھینا تھا ان کا یہ تجربہ مسلمانوں کے روبرو ہے اور اس بنیاد پر ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور ان کا نتیجہ مسلمانوں کی طرح ہوگا، اب اگر یہ مسلمان اپنے موجودہ وجود کو اسلام پر مرتکز نہ کر سکے انہوں نے اپنی مشکلوں کو حل کرنے کے لئے اسلام سے استفادہ نہ کیا اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے بلکہ غیر مسلموں سے اپنے روابط اور ضروریات زندگی کو مستحکم نہ کیا تو ہر لالچی کے لئے تر نوالہ اور

ہر فرصت طلب ظالم کے لئے بہت سہل الحصول شکار بن جائیں گے اور اگر انہوں نے صورتحال سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مادی قوتوں کا حصول چاہا اور اسلحہ میں برتری حاصل کی تو کچل دیئے جائیں گے ان کی زندگی پامال کردی جائے گی انہیں طرح طرح کے عذابوں اور بلاؤں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا جیسے آج کے بہت سے غیر مسلم معاشرے ایسی ہی پریشانیوں سے دوچار ہیں۔

مسلمانوں پر فرض ہے وہ یقین رکھیں ان کی نجات صرف اسلام ہی کے ذریعے ممکن ہے اور اسلام ہی اتحاد کی بنیاد ہے۔

ہمارا پیام اور امت اسلامیہ کی موجودہ صورتحال

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ
وَتَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ؕ
تم وہ بہترین قوم تھے جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی تھی تم لوگوں کو
معروف کا حکم دیتے اور منکر سے روکتے اور اللہ پر ایمان لاتے۔[1]

امت مسلمہ کی کچھ ایسے خصوصیات تھیں جن کی وجہ سے وہ تمام قوموں میں منفرد تھی اسی انفرادیت نے اس کی ستاروں بھری تاریخ بنائی۔

یہ امت نسلی اور خونی اصولوں پر مبنی نہیں تھی کیونکہ وہ تو نسلی اور قبائلی انسانوں کو اپنے سائے میں پالتی رہی ہے۔

یہ امت جغرافیائی بنیاد پر قائم نہیں کیونکہ اس کے افراد ہمیشہ دنیا بھر کے وطنوں سے تعلق رکھنے والے تھے اور ہیں۔

یہ امت لسانی وحدت پر قائم نہیں اس نے تو مختلف زبانوں کے عوام کو اپنے حلقے میں لے رکھا ہے۔

یہ امت اپنے وجود کے لئے زیادہ سے زیادہ عوام کو اپنے دائرے اور امت کے مفہوم میں داخل کرتی ہے یہی اس کا وجودی تشخص ہے۔ یہی اس کا اصل ستون ہے۔ اس کا وجود صرف ایک بڑے اصول پر قائم ہے اور وہ وحدت عقیدہ وحدت ایمان ہے۔ انسانی حالات وضروریات میں چھوٹی بڑی چیزوں کو جامع عقیدے کی وحدت خواہ چیزیں دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے اس عقیدے پر ایمان کی وحدت۔ وہ ایمان جو دور بہت دور کو اتنا قریب کر دیتا ہے جیسے دو بھائی، کیونکہ وسائل و مقاصد، تمناؤں اور امیدوں اور ہم قدمی

---

[1] سورۂ آل عمران: ۱۱۰

کی وحدت ہی نے ایک دل کو دوسرے دل سے جوڑ دیا اور ایک روح کو دوسری روح سے پیوست کر دیا ہے۔

ان حقائق نے اس امت کو تاریخ میں منفرد بنا دیا، یہی امت ہے جو اس وقت ''اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' دنیا کے عوام کے لئے پیدا کی گئی ہے جب دنیا میں کوئی قوم ایسی موجود نہ تھی بڑے اہتمام سے اسے تیار کیا گیا، یہ امت خدا کے وضع کردہ حدود اور اس کی شریعت کے احکام کے مطابق خاص خدا کی توجہ سے بنائی گئی اور حدود اللہ کے اشارات کے موافق ڈھالی گئی۔ افراد کے باہمی روابط سے امت کا نام پا چکی ہے۔ اس کے اجزا میں اکائی، اس کے وسائل و مقاصد میں یگانگت ہے۔

یہ امت عام انسانوں کے لئے بھیجی گئی ہے۔ عام میں اس طرح نہیں ہے جیسے دوسری قومیں ہیں۔ جن کا تمام تر خیال خطروں سے اپنی ذات کو بچانے پر مرکوز ہے جو اپنی ذات کے لئے آسائش، راحت اور امن کی طلب گار رہے چاہے دنیا مٹ جائے۔

یہ امت لوگوں پر بلا اور تازیانہ عذاب بنا کر نہیں بھیجی گئی کہ کھیتیاں برباد اور نسلیں تباہ کر دے یہ امت لوگوں کے لئے رحمت، بشارت اور نجات بلکہ تمام بشریت کے لئے شگفتگی اور بہاریں لائی ہے۔ اسی بنا پر اسے ''خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ'' کہا ہے اور واقعاً یہ تمام انسانوں کے لئے بہترین امت ثابت ہوگی۔ بشرطیکہ اس کی رفتار اسلام کے مطابق اور اس عقیدے کے ساتھ ہو جس عقیدے نے اسے عدم وجود بخشا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس امت کا بہترین اقوام ہونے کا راز اقوام عالم کے نام اس کا پیام ہے وہ پیام جو اس کی عظمت و اقبال یا نکبت و ادبار کا سرچشمہ ہے۔

عظمت کا سرچشمہ، جب وہ اپنی عظیم ذمہ داری محسوس کر کے اس کے مطابق عمل کرے۔ احکام خدا کے مطابق اس کا مقصد پیام رسانی ہو۔ اور نکبت و تباہی کا سرچشمہ جب وہ پیام سے انحراف و کجی اور خواہشات میں انتشار پیدا کرے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی چھوڑ دے۔ اس صورت میں وہ اپنے وجود کی انفرادیت چھوڑ بیٹھے گی۔

ہماری دنیا میں بہت سی قومیں ''پیام'' کی دعوے دار ہیں لیکن پیام، پیام میں بڑا فرق ہے۔

یورپ کا انسان اپنے استعماری دور میں دعویٰ کرتا تھا کہ وہ ایک پیام کا حامل ہے۔ سفید آدمی کو حاکم ہونا چاہئے۔ اس یورپی آدمی نے اپنے پیام کا تجربہ پیش کیا اس نے غلام بنایا اور غلاموں کو بھوکا رکھا اور جن عوام پر مسلط ہوا ان کے لئے تہذیب وتمدن وعلم کے دروازے بند کر دیئے۔ اس نے دنیا کو ظلم وسرکشی وعذاب سے فریادی بنا دیا اور آج پوری دنیا دشمنیوں اور لڑائیوں یا جنگ کے خطروں سے دوچار ہے۔

امت اسلامیہ کا پیام دنیا بھر کے پیاموں سے منفرد ہے وہ دوسرے ہی نمونے کا پیام ہے۔ دنیا بھر کی قوموں میں اس کا جواب کسی کے پاس نہیں، امت مسلمہ کا پیام پوری دنیا کے نام ان لفظوں میں ہے۔

''حریت، علم، تمدن، خوشحالی کا پیام ہر انسان کے لئے۔''

مسلمانوں نے اس پیام اسلام کا پرچم کل اٹھایا، جب تمام اقدار ختم، ضمیریں مردہ اور استبدادیت کا دور دورہ تھا۔ انسانی معاشرہ جڑ بنیاد سے ہل چکا تھا بدترین تصادم کی صورت حال تھی۔ مسلمانوں نے جہاں تک ہوسکا انہوں نے اسلام کا مثالی انسان اور اس کی کامل ومکمل شخصیت پیام ومثال میں پیش کی۔ یہ انسان امیدوں اور منور وفروزاں بھلائیوں سے سرشار، عظمت وجلالت کی راہوں کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا انہوں نے خوبصورت معاشرے کی یہ تصویر پیش کی۔ مومنوں کی محبت وباہمی الفت ایک جسم کی طرح ہے جب اس کے کسی ایک حصے کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بخار اور جاگ سے عبارت بن جاتا ہے۔ (حدیث)۔

اسلام آج بھی اپنا عظیم پیام آج کی دنیا کو پہنچانا چاہتا ہے، اسلام بذاتہ کفالت کا دعوے دار ہے وہ آج کے انسان کو اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہے جو اسے تباہی کے دہانے پر لے آئی ہے وہ اس دنیا کو نئے سانچے میں ڈھالنے کو تیار ہے۔ مختلف دعوتوں اور

فطرۃ الٰہیہ سے دور کردینے والے فلسفوں اور ''کلمۃ اللہ'' کے دشمنوں نے انسان کے جس وجود کو پارہ پارہ کر کے توازن بگاڑ رکھا ہے اسے بحال کرے، اسلام فکری، معاشرتی اور مادی بلکہ ہر ہر قسم کی غلامی سے نجات دلانے کی ضمانت دے۔

مگر مسلمان اسلامی پیغام کو آج عام کرنے کی وہ صلاحیت نہیں رکھتے جو کل والوں میں تھی اور جس طرح ان لوگوں نے کام کیا اور معجزات دکھائے آج کے لوگ اس سے خالی ہاتھ ہیں۔

پیام پہنچانے والے پر واجب ہے کہ ہ اپنے پیغام کو زندہ رکھے۔ ماضی کے مسلمانوں نے قوتوں کے دباؤ کے باوجود اسلام کا پیغام پھیلایا۔ وہ اس کی صلاحیت رکھتے تھے وہ انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلام کی شمع روشن کئے ہوئے تھے ہر شخص زندہ اسلام کے لئے کوشاں تھا۔

آج کے مسلمان، غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈے سے مرعوب ہیں۔ ان کی روح، ان کی عقل غلام بن چکی ہے انہیں اسلام سے موڑ کر زندگی کی اس ڈگر پر ڈال دیا گیا ہے۔ جہاں اسلام کا ڈانڈا نہیں ملتا۔ اسلام ان کے وجدان سے ہٹ کر انفرادی شعور بن چکا ہے زندگی سے اس کا رشتہ ٹوٹ چکا ہے اسلام نہ ان کی تعمیر میں حصہ لے سکتا ہے نہ ان کے پیچ وخم دور کرنے کا حق رکھتا ہے یہ لوگ ایسی صورتحال میں دکھوں اور گمراہیوں میں مبتلا انسان کے لئے اسلام کی تبلیغ کا کام کیسے کر سکتے ہیں؟ ان پر پہلا فرض تو اپنے تئیں انسانوں کے لئے خیر امت بنانے کا ہے۔ وہ پہلے اپنے اوپر اسلام کو طاری کریں زندگی پر، رفتار وگفتار پر۔ اس کے بعد کہیں پیغام کا پرچم اٹھانے اور اس کا حق ادا کرنے میں صلاحیت پیدا ہوگی۔ اس کے بعد اللہ کے وعدے کے مطابق مسلمانوں کو شہدا علی الناس بننے کا اعزاز ملے گا۔ پھر یہ امت وہ خیر امت ہوگی جو دنیا بھر کے انسانوں کے لئے بنائی گئی جو معروف کا پیام دیتی اور منکر سے روکتی ہے جس کے افراد اللہ پر ایمان رکھنے والے اور پیغام اسلام کے پہنچانے والے ہیں۔

ہمارا پیام

ہم مسلمانوں کو مولائے برحق اللہ کی طرف بلاتے اور بدترین حقائق اور ہلاکت خیز صورتحال کے سامنے آنکھیں کھولنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے سامنے اسلامی تعلیمات کے مطابق رسوائیوں سے سر اٹھانے کی راہیں نکالتے ہیں۔ ان مراحل میں ہمارا رہنما فرمانِ الٰہی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴿۱۰۴﴾

تم لوگوں میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی طرف
بلائے معروف کا مشورہ دے برائیوں سے روکے ایسے ہی
آدمی کا فلاح پانے والے ہیں۔ [1]

❁❁❁❁

---

[1] سورۂ آل عمران: ۱۰۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام دائمی اور ترقی پذیر ہے

اسلام عالمی دین ہے کسی خاص قوم کا دین نہیں، وہ وطن میں مقید نہیں، تمام قطعات زمین میں بسنے والی بشریت کا دین ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا

ہم نے تم کو انسانوں کے لئے ثواب کی خوش خبریاں اور عذاب سے بچنے کے لئے دھمکیاں دینے ہی کو تو بھیجا ہے۔ [۱]

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۝۸۷

یہ تمام عالموں کے لئے یاددہانی ہے۔ [۲]

بشریت کا آخری دین، اب آسمان سے انسانوں کو دوسرا کوئی پیغام نہیں ملے گا۔ عالم کے فنا ہونے تک اسی بنا پر نبی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم الانبیا کہتے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں وہ تو اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔ [۳]

انسان کو ہر طرف سے احاطہ کرنے والا دین جسم وجان خاندان کے سربراہ اور معاشرے کا رکن کوئی شخص اور کوئی زاویہ ہو زندگی کی راہ میں محنت کرنے والا، اور عبادت

---

[۱] سورۂ سبا: ۲۸

[۲] سورۂ ص: ۲۷

[۳] سورۂ الاحزاب: ۴۰

گزارغیروں سے صلح وجنگ والا انسان اسے اپناتا ہے یعنی زندگی کے تمام احوال وجہات کو منظم کرنے والا دین صرف اسلام ہے۔

انسانی زندگی ساکن وجامد نہیں ہے اس میں حرکت ہے آئے دن تبدیلی ہے اور اس حرکت وتبدیلی کا اثر انسانی زندگی کے تمام مظاہر میں پایا جاتا ہے۔ مادی شکل وصورت میں ایک دوسرے سے میل جول میں اور سوچ سمجھ میں، حرکت وتغیر ہی اسے زندگی اور احوال حیات میں پیشقدمی حس کارکردگی یا پسپائی اور پستی میں لاتا ہے۔

جب اسلام عالمی دین ہے اور انسانی زندگی کے ہر رخ پر چھایا ہوا ہے تو مظاہر حیات انسانی کے ہر تغیر وتبدل وارتقا کے مرحلے میں اس کا ایک معین موقف ہونا چاہئے انسان پر طاری ہونے والے حالات انسان کو جو کسی صورت میں اچھی سمت اور کبھی بری سمت کی رہنمائی کرتے ہیں اس صورتحال میں اسلام کا موقف کیا ہے؟

اسلام بشریت کا آخری دین جاوداں ہے۔ جب تک انسان پشت زمین پر باقی ہے۔لیکن جاوداں ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندہ انسان پر طاری ہونے والے حالات اور مظاہر حیات کے مقابلے میں اس کا موقف سلبی ہے۔اسلام تبدیلیوں کے وقت ایجابی موقف اختیار کرتا ہے جہاں بھی تغیرات انسان اور انسان کی زندگی کو پیش قدمی، ترقی اور پھولنے پھلنے کے مواقع دیتے ہیں اسلام ان کو نشوونما اور میدانوں میں وسعتیں مہیا کرتا ہے اور جہاں تبدیلیاں ان مقاصد سے انسان کو روکتی ہیں جو اللہ کے پسندیدہ مقاصد ہیں اسلام انہیں روکتا اور بچاتا ہے۔ اسلام انسانی زندگی کو معین ماحول میں جامد وساکن نہیں بناتا۔مختلف حالات، مختلف فضاؤں میں تجربہ کرنے سے باز نہیں رکھتا بلکہ انسانی زندگی کو بڑھنے اور پھولنے پھلنے کے طریقے بتاتا ہے۔

انسانی زندگی کے مظاہر میں کبھی ایسے تغیرات آتے ہیں جو اس کے مادی طبیعی رجحانات کو گھیر لیتے ہیں اور کبھی اس کے نظام معاشرہ اور اقتصادی وسیاسی زندگی سے دوچار ہوتے ہیں۔

پہلے قسم کی تبدیلیاں وہاں نظر آتی ہیں جہاں آج کا انسان فطرت اور مادہ سے رنگا

رنگ فائدے اٹھاتا ہے وہ شاندار ترقی کرتا ہے وہ کائنات پر تصرف کرتا ہے اسے اپنی روز مرہ کی زندگی کو خوش حال بنانے کے کام میں لاتا ہے۔

اس میدان میں جدید ترقی جو آج کے انسان نے حاصل کی ہے اسلام اس کے مقابلے میں کوئی سلبی موقف نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ مسلمان سے کہتا ہے کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھائے دوسروں کا ساتھ دے مختلف میدانوں میں ایجادات کرے وہ تمدن وترقی کا دشمن ہونے کے بجائے ترقی وترقی تمدن کی ہمت افزائی کرتا ہے۔

دوسری قسم کی تبدیلیاں وہ ہیں جو اجتماعی اور نئے اقتصادی نظریات سے پیدا ہو رہی ہیں۔ ان تبدیلیوں نے مغربی تہذیب اور مغربی انسان کے کائنات زندگی اور خود انسان کے بارے میں افکار بدل رکھے ہیں۔ ان نظام ہائے تغیر وتبدل میں اسلام کا موقف نہ تو سراسر سلبی ومنفی ہے کہ وہ سب چیزوں کا مکمل طور پر انکار کرتا ہے نہ مثبت ہی مثبت ہے کہ سب کچھ قبول کرتا ہے۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتا ہے لہٰذا ہر نئی تبدیلی کے وقت ہمیں اسلام کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اس سے پوچھنا چاہئے کہ صورتحال یہ ہے، زندگی میں یہ تبدیلی واقع ہو رہی ہے اسلام احکام اور اساسی نظریات و تعلیمات کیا ہیں؟ جہاں جہاں احکام اسلام کی مخالفت ہے وہاں وہاں قطعی طور پر چیزوں کو رد کر دینا چاہئے اور جو چیزیں احکام اسلام کے مطابق ہوں یا مخالف نہ ہوں۔ مثلاً اسلام نے کوئی خاص تحدید نہیں کی یا وہ معاملہ عام اسلامی اصولوں میں داخل ہی نہیں ہے۔

تو اسلام اس صورت حال کو خوش آمدید کہتا ہے، مگر اس پر اپنا رنگ چڑھاتا اور اپنی روح ڈالتا اور اپنے امتیازی نشان لگاتا اور اسے اپنے مزاج کا بناتا ہے۔ اسلام مغرب کا یہ نظریہ نہیں مانتا کہ آدمی پہلے حیوان (بندر) تھا یا انسان فقط مادی ہے یا سود جائز ہے، یا جنسی تعلقات آزاد ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اسلام مزدوروں اور کارکنوں کو انجمن بنانے نگراں رابطہ کمیٹیاں قائم کرنے سے نہیں روکتا انہیں حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مفادات کا نقطہ نظر اسلامی احکام کے خلاف ہے اور آخری مثال میں کارکن کی آزادی کام اور کسب

معاش کے نقطہ نظر سے اسلام ساتھ دیتا ہے اسلام کارکن کے کام اور اس کے حق کو تسلیم کرتا ہے وہ شرعی طور پر جائز وسائل کے ذریعے اپنی زندگی کا معیار بلند کرسکتا ہے اور ہمیں اسے روکنے کا حق نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو اسلامی اصول بروئے کار تھے ان کی رو سے اس معاملے میں آزادی تھی۔

اجتہاد:

خاص طریقوں سے اسلامی احکام کے علم اور اسی کے عام مبادی کا جاننا بڑا بلند منصب ہے۔ فقہا کو اسی وسیلے سے جہاں بھی اسلام کو بالادستی حاصل ہو انسانی زندگی کو اسلامی رنگ میں رنگنے کا حق حاصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام ترقی پذیر دوامی اقدار کا مالک ہے کتاب وسنت معتبرہ کے احکام واصول کی بنیاد پر جادوانی ہیں جہاں شارع علیہ السلام نے کوئی پابندی نہیں لگائی ہے وہاں ثانوی طور پر ترقی پذیر ہے مگر خاص انداز اور اپنے امتیازی خصوصیات کے ساتھ ان مقامات پر بھی جہاں حکم عام موجود ہے اسلام وہاں بھی خاص صورت حال کی مختلف شکلوں کو دیکھتا ہے اور اپنی مخصوص حکمت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اسی انداز سے وہ بدلتے حالات کو قابو میں لاتا اور نئے تقاضوں کو اپنے لہجے میں بدل کر ایک خاص فکر کے مطابق جواب دیتا ہے یوں ارتقائی مدارج طے کرتا اور مسلسل دوام حاصل کرتا رہتا ہے۔

اسلام کی ترقی پسندی کے بارے میں اکثر مسلمان آج کل گفتگو کر رہے ہیں اور ایک خاص تصور وفکر کا دور دورہ ہے۔ ترقی پسندی کیسے اور کیوں کر؟ کی بحث ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ بالذات احکام اسلام کو انسانی زندگی کے ساتھ بدلنا چاہئے تاکہ اسلام ان کے ساتھ چل سکے ورنہ اسے کنارے کر دیا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام جس طرح محمد مصطفیٰ ﷺ لائے تھے۔ انسانی زندگی کے واقعاتی اور حقیقی مسائل کا حل نہیں رکھتا اس میں صلاحیت نہیں ہے جب ہی تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اسے نئے سانچے میں ڈھال کر آج کے تقاضوں سے اسلام کو ہم آہنگ کریں۔

اس وہم کی بنیاد، دشمنان اسلام کی طرف سے پھیلائے ہوئے افکار کی وہ زہرناکی ہے جو مسلمانوں میں صرف اس لئے عام کی گئی کہ وہ خود بخود اپنی زندگی اور اصلیت میں اور اپنے ٹھوس عزائم و اقدامات میں اسلام سے الگ ہو جائیں۔ درحقیقت اس وہم کا انطباق اسلام پر کسی صورت میں بھی نہیں ہوسکتا، اس کی وجہ اسلام کی ساخت اور روح ہے اسلام کسی رخ سے بھی قانون ساز جماعت اور اس کے اسناد و دستاویزات کا مرتب کردہ نظام نہیں ہے۔ اسلام، انسان کے محدود امکانات اور حالات کی مجبوریوں میں جکڑی ہوئی روایات، خوش حالی وتباہ حالی دشمنی اور دوستی کے جذبات کی محکوم قوم یا کمیٹی کا بنایا ہوا نظام نہیں ہے۔ اگر اسلام اسی قسم کا نظام وقانون ہوتا تو اسے عوام کی خواہش کے مطابق ترقی پذیر بنانا چاہیے تھا بلکہ اس میں وقتاً فوقتاً کبھی حذف اور کبھی اضافہ ضروری ہوتا۔ لیکن اسلام اس طرح کی چیز نہیں ہے لہٰذا اس پر ان کلیات اور ان معیاروں کا استعمال بھی نہیں ہونا چاہئے اور اسلام کو محدود وضعی نظاموں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔

اسلام زمان ومکان میں محدود وضعی قانون نہیں ہے نہ وہ اس محدود وذہنی افق رکھنے والے انسان کی تخلیق ہے جس کے مقاصد زمان ومکان میں محدود اور ذاتی نفع ونقصان سے آلودہ ہیں۔

اسلام آسمانی نظام ہے اللہ عزوجل کی وحی سے وجود پذیر ہوا وہ اللہ جس نے انسان کو پیدا کیا جو ہر نفع رساں اور نقصان رساں بات کا عالم ہے اس نے تمام ادوار وحالات میں اور دنیا وآخرت میں ہر نفع نقصان کی بات بتا دی اور ہمہ وقت خود فائدہ رسانی کے لئے موجود ہے بشرطیکہ انسان اس کا پیرو کار بنے۔ اس سے وابستہ رہے، زندگی کا راستہ اسی کی رہنمائی سے ہموار رہے انسانی تجربوں نے اسلام سے دوری اختیار کی اور ہم دلیل پر دلیل دے چکے ہیں کہ انسان کی بھلائی صرف اسلام سے وابستہ ہے۔ طرز زندگی اور نظم وضبط کے لحاظ سے عوامی مسائل کا صرف ایک حل ہے اور وہ اسلام ہے۔

اسلام جب اس قدر مکمل نظام ہے تو پھر اس کو معتدل اور ترقی پذیر بنانے کی بات

کیسے سچی اور صحیح بات کہی جاسکتی ہے؟اور اگر ہم جدید سیاسی و اقتصادی اور سماج کے نئے سانچوں میں اسلام کو ڈھال دیں تو پھر ہم نے خود اسلام کی بقا کے لئے کیا رکھا؟ ہم نے تو اسے شخصی وجدان کا پابند کر کے اسے مغربی نظام بنا کر اسلام کا لیبل لگا دیا، وہ اللہ کا دین نہیں انسانوں کا بنایا ہوا اسلام ہوگا۔مسلمانوں کو دھوکا دینے والے اور ان دھوکوں میں آنے والے اسلام دشمن یہی تو کام کرتے رہتے ہیں ان کا مقصد اسلام کی صورت بگاڑنا اور اسے بدنام کرنا ہے

اسلام، معتدل بنانے، ترقی پذیر اور زمانے سے ہم آہنگ کرنے کا محتاج نہیں ہے۔البتہ انسان اگر اپنی زندگی کو خص نصیب اور شاندار بنانے کا خواہش مند ہو تو اس پر فرض ہے کہ وہ فرد و قبیلہ، معاشرے اور پوری دنیا کو اسلام کے مطابق بنائے، اسلام کے معاملات کی اصلاح کرے گا کیونکہ اسلام انسانی زندگی میں پستی اور فساد کو روا نہیں رکھتا اس کی آمد صرف اس لئے ہے کہ زندگی کو مہذب اور انسان کو ان اعلیٰ اقدار کی طرف لے جائے جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کئے ہیں۔

آخری بات

ہمارے عہد میں اسلام کو ترقی پذیر بنانے پر اصرار کرنے والے ایسے ہی ہیں جیسے عہد نبوی اور اس سے پہلے کے لوگ تھے وہ لوگ کتاب میں تحریف کرتے تھے، اس تغیر و تبدل کے ذریعے وسائل دنیا کے لئے کچھ حقیری قیمت حاصل کرتے تھے (دولت و اقتدار کے داؤ پر خدا کا کلام بدل دیتے تھے) ان کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے:۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ ۚ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

بلاشبہ ان لوگوں میں کچھ لوگ وہ ہیں جو زبانوں سے قرآن

کا نام لیتے ہیں تا کہ لوگ اسے قرآن کی بات مانیں حالانکہ وہ کتاب کی بات نہیں ہوتی اور وہ کہتے ہیں کہ ان کی بات اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ لوگ تو جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ تھوپتے ہیں۔ [1]

❁❁❁❁

[1] سورۂ آل عمران: ۷۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام انسانی وعالمی پیام ہے

انسانی عقیدہ اس وقت تک عقیدہ نہیں کہا جا سکتا جب تک آدمی اسے اپنے تمام ماحول، تمام امکانات اور ہر قسم کی ترقی وخوشحالی کا سبب نہ بنالے۔ یہ نہیں کہ ایک رخ سے اسے قبول اور دوسرے رخ سے مسترد کرتا ہو۔ عقیدہ اس وقت عقیدہ بنتا ہے جب وہ انسان کے تمام موجود حقائق کا حل پیدا کرے اور انسان سچے دل سے اس کا اعتراف کرے اسی طرح جس طرح اللہ نے پیدا کیا ہے اسے بدلے بغیر، اپنے تمام امکانات کے ساتھ اعتراف کرے۔ تمام ضروریات، تمام تغیر پذیر وغیرہ تغیر پذیر حقائق ہیں۔

اپنے عہد یا بعد کے ادیان وعقائد میں اسلام منفرد و یکتا دین ہے۔ انسانی حقائق سے براہ راست بحث ونظر کرنے اور ان ضروریات ونظریات کا جواب دینے والا دین صرف اسلام ہے۔ قرآنی آیات کریمہ واضح ترین الفاظ میں ہمیں سبق دے رہی ہیں۔

فَاَقِمۡ وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ؕ فِطۡرَتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيۡهَا ؕ لَا تَبۡدِيۡلَ لِخَلۡقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳۰﴾

دین حنیف کے لئے اپنا رخ درست رکھو، وہ اللہ کی فطرت ہے جس پر اللہ نے تمام انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں یہی تو دین استوار ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ [1]

تو اسلام دین فطرت انسانی ٹھہرا، وہ اسی فطرت کی بنیاد پر جواب دہ ہے نہ اس

[1] سورۂ الروم: ۳۰

میں ردوبدل ممکن ہے نہ وہ شخص اس بات کا انکار کرنے کا مجاز ہے جس کا پہلے اعتراف کر چکا ہو۔ اسلام تو کرامت بشر کا دین ہے۔ ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ آدم'' ہم نے اولاد آدم علیہ السلام کو صاحب کرامت واعزاز بنایا ہے۔

ہم سردست اپنی گفتگو میں ان بے شمار شواہد کو پیش کر کے بحث کو طول دینا نہیں چاہتے کہ دین اسلام، تمام ادیان وعقائد میں تنہا ایک ہی دین ہے کیونکہ کسی عقیدے کو انسانی عقیدہ اسی وقت ماننے کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے جب انسان کے بڑے مسائل میں وہ انسانی یا غیر انسانی عقیدہ، صحیح موقف رکھتا ہو۔ بیرونی دنیا کے مقابلے میں انسان کی صورت حال انسانی آزادی اور عقل کے بارے میں اس کا نقطہ نظر، لگا تار انسانی ترقی کا تصور۔

ان حقائق کے مقابلے میں ہم اسلامی موقف کا جائزہ لیتے ہیں۔

﴿۱﴾ انسان اور بیرونی دنیا

اسلام بیرونی دنیا کو شر اور انسان کا دشمن نہیں مانتا۔ جس سے فرار اور جس سے تا بحد امکان الگ رہنا چاہئے، اسلام اس دنیا کو انسانی جدوجہد، نمو اور ازدیادِ قوت اور امکانات کے پھلنے اور پھولنے کا میدان سمجھتا ہے۔ قرآن کریم اس سلسلے میں بہت سی آیتیں اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ جس میں اللہ نے انسان کو بیرونی دنیا کی طرف متوجہ کیا ہے تا کہ نئے راز دریافت کرے۔ اس سے فائدہ اٹھائے اور اثرات قبول کرے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰

کیا لوگ اونٹ پر توجہ نہیں کرتے وہ کیونکر خلق کیا گیا ہے

اور آسمان کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑ کیسے زمین پر جمائے گئے

اور زمین کیسے بچھائی گئی۔ [۱]

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾

کہہ دیجئے تم آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ نشانیاں ہیں ان پر غور کرو اور ایمان نہ رکھنے والی قوم کو نشانیوں اور تنبیہات سے کوئی فائدہ نہیں۔ [۲]

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ

کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے ملکوت پر نظر نہیں ڈالی اور جو کچھ اللہ نے پیدا کیا ہے اسے نہیں دیکھا۔ [۳]

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَاۗءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿٦﴾

کیا انہوں نے اپنے اوپر چھائے ہوئے آسمان کو نہیں دیکھا ہم نے اسے کیونکر بنایا اور حسن بخشا آراستہ کیا اور اس میں کوئی سوراخ نہیں ہے۔ [۴]

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿٧﴾

کیا ان لوگوں نے زمین پر نظر غائر نہیں ڈالی ہم نے اس

---

[۱] سورۃ الغاشیہ: ۱۷۔۲۰

[۲] سورۂ یونس: ۱۰۱

[۳] سورۃ الاعراف: ۱۸۵

[۴] سورۂ ق: ٦

میں کس قدر عمدہ عمدہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ [۱]

اس کے علاوہ بہت سے آیات مبارکہ۔

مسلمان کی نظر میں طبیعیات کی دنیا عظمت وقدرت خدا کا مظہر ہے انسان کی کدو کاوش اور استفادے کی دنیا ہے اللہ نے اسے انسان کے لئے مسخر کیا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ط

اور اللہ نے زمین وآسمان میں سب کچھ تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔ [۲]

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انسان تو زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ط

اور جب اللہ نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔ [۳]

اس کے برخلاف عیسائیت کا بیرونی دنیا سے موقف یکسر منفی ہے عیسائیت مظاہر فطرت کو شر اور نجاست سے لبریز دیکھتی ہے اسے انسان کی ابدی ہلاکت کا ایک بڑا سبب گردانتی ہے۔ عیسائی تعلیم کے مطابق انسان پیدا ہوتے ہی پہلی لعنت سے دوچار ہوتا ہے اور اسے سب سے پہلے گناہ کی نجاست آلودہ کرتی ہے۔ اس پر فرض ہے کہ اس دنیا سے پیکار کر کے چھٹکارا حاصل کرے اور اس کا صرف ایک طریقہ ہے کہ تمام خواہشات سے پہلو بچائے اور بیرونی دنیا کو ٹھکرا دے اور جس قیمت پر بن پڑے اس سے پیچھا چھڑائے، یوں عیسائیت نے بیرونی دنیا سے گہرے قریبی رشتے توڑنے اور انسان اور دنیا کے درمیان خوف ونفرت کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش انجام دی۔ لہٰذا عیسائی آدمی کا اس پھیلی ہوئی

---

[۱] سورۂ الشعراء:۷

[۲] سورۂ الجاثیہ:۱۳

[۳] سورۂ البقرہ:۳۰

دنیا سے بے تعلقی بلکہ خودکشی کا موقف قرار پاتا ہے۔

موجودہ عہد کا انسان عیسائیت چھوڑنے اور اس نظریہ جیسے افکار (ہم ان کا تذکرہ کریں گے) سے آزادی حاصل کرنے پر مجبور ہو چکا ہے، لیکن ان لوگوں نے اپنی نئی زندگی جن نظاموں، فلسفوں اور فکری بنیادوں پر استوار رکھی ہے وہ اکثر غیر انسانی ہیں ان لوگوں نے عیسائیت کی پیدا کردہ پیچیدگیوں سے بھاگنا چاہا مگر انہیں اسی طرح کی دوسری پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑا وہ عیسائیت کی پیدا کردہ محرومیوں سے نکلے تو اس روحانی رشتے کو توڑ بیٹھے جو روح انسانی، زندگی اور اس کے مقاصد میں معنی پیدا کرتی ہے۔ جس کے بغیر حیوانات سے منفرد کائناتی وجود ہونے کے بجائے ایک فزیکل وجود بن کر رہ جاتا ہے۔ اہل مغرب اسی ڈگر پر چلے اور حد سے آگے نکل گئے۔ علامہ اقبال نے اسی قسم کے معاصر آدمی کے بارے میں کہا ہے آج کا انسان انتقادی فلسفے اور علمی برتری کے باوجود اپنے اندر ایک اضطراب محسوس کر رہا ہے۔ اس کے مذہب مادہ پرستی نے نیچر پر بالا دستی تو دلوادی۔ جس کی مثال نہیں ملتی۔ مگر نتیجہ میں اس سے اس کا ایمان بھی چھین لیا وہ محسوسات یعنی ظاہری چمک دمک کے چشمے میں ڈوب گیا وجود کی گہرائیوں کے رشتوں سے کٹ گیا وہ گہرائیاں جن کی اتھاہ بھی ناپ نہ سکا۔ سب سے کم نقصان جو مادی فلسفے سے پہنچا وہ اس کی خوشی اور اندرونی طمانیت پر فالج کا اثر ہے یہ بات ہکسلے نے محسوس کی اور اس پر انہی برہمی کا اظہار کیا۔

مسلمان آدمی اپنی اپنی انسانیت گم کرنے کے خطرے سے محفوظ ہے کیونکہ اسلام نے مادی نفع اندوزی کی راہ میں روحانی اقدار کو رکاوٹ نہیں بنایا وہ تو روحانی ذوق اور جسمانی ضروریات کے لئے آسانیاں مہیا کرتا ہے وہ دونوں کا قائل اور دونوں کی ایک ساتھ اصلاح بھی کرتا ہے۔

نئی بیرونی دنیا کے مقابلے میں اسلام کا موقف واضح کرتے ہوئے انسان کی جبلی وفطری خواہشات اور اسلام کے موقف کی بات سامنے آتی ہے جبلی طلب، زندگی کی وہ قوت ہے جس کے بغیر حرکت ختم ہو جاتی ہے دوسرے لفظوں میں انسانی رفتار کی داخلی شرط

''خواہش'' ہے اسی کے باعث زندگی میں حرکت اور ابھار پیدا ہوتا ہے اگر زندگی ان فرائض کی بجا آوری سے عبارت ہے جو موت سے ٹکر لیتے ہیں تو سچی بات یہ ہوگی کہ ''خواہشات'' زندہ کائناتی موجود کے مظاہر حیات کے لئے فراوانی و آسائش کا اہم ترین وسیلہ ہیں۔ اس مرحلے میں اسلام کا موقف مثبت ہے وہ خواہشات سے نہیں لڑتا۔ ان کے وجود کو تسلیم کرتا اور مسلمانوں کو اپنے تعبیرات سمجھاتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ

اولادِ آدم! ہر نماز کے وقت آراستہ و پیراستہ ہوا کرو اور کھاؤ پیو مگر فضول خرچی نہ کرو۔[1]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ

لوگو! زمین کی چیزوں میں جو حلال و طیب چیزیں ہیں انہیں کھاؤ پیو۔[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ

مومنو! اللہ نے جو طیب چیزیں تم پر حلال کی ہیں انہیں حرام نہ بناؤ۔[3]

خواہشات کا احترام کرنے کا مطلب اندھا، بہرا مادی احترام نہیں، جبلی خواہشات اس حد تک مباح نہیں کہ آدمی خواہشات کی تکمیل میں ڈوب کر جانور بن جائے اور بلند انسانی اقدار کو چھوڑ کر حسی اشیا کے علاوہ کسی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے، ان لوگوں جیسا نہ بن جائے

---

[1] سورۂ الاعراف:۳۱

[2] سورۂ البقرہ:۱۶۸

[3] سورۂ المائدہ:۸۷

جن کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ

اور کافر خوب مزے اڑاتے اور یوں کھاتے پیتے ہیں جیسے جانور۔[۱]

وہ مادی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی حد مقرر کرتا ہے اور مسلمان کو زندگی کے روحانی اور مادی معاملات میں توازن برقرار رکھنے کا پابند کرتا ہے۔

وَابْتَغِ فِیْمَآ اٰتٰکَ اللّٰہُ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ وَلَا تَنْسَ نَصِیْبَکَ مِنَ الدُّنْیَا

آخرت میں اللہ نے جو تمہیں دیا ہے اس کی طلب جاری رکھو اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔[۲]

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

ہمارے رب ہمیں دنیا میں حسنہ (بھلائی فائدہ خوبی) دے اور آخرت میں خوبی حسنہ عطا فرما اور جہنم کی آگ سے بچا۔[۳]

یہ تھا اسلام کا رویہ عیسائیت نے انسانی خواہشات سے جنگ لڑی اور انسان کو اس کی کوئی تعبیر نہیں کرنے دی۔مثلاً جنگ کی خواہش ملکیت کی خواہش، جنسی خواہش.....کو گناہ عظیم بتایا۔اس گفتگو کے بعد صاف نظر آتا ہے کہ موجودہ انسان نے عیسائیت کو زندگی میں ایک موثر دین کی حیثیت سے کیوں مسترد کیا ہے۔

نئی تہذیب نے خواہشات کی رسی ہی توڑ دی ڈارون کے نظریئے کا نتیجہ یہی ہونا

---

[۱] سورہ محمد: ۱۲

[۲] سورۂ القصص: ۷۷

[۳] سورۂ البقرہ: ۲۰۱

تھا انسانیت کے یقین میں زلزلہ، انسان کی رفعت بلندی اور معاصر فرد کے ذہنی افکار میں زلزلہ کیونکہ عیسائیت نے تو انسان کو وہ نظریہ سمجھایا جس میں قطعی احکام تھا اور علمی روح سے نظر موڑ لی گئی تھی۔ حیوانی فضائل کے تمام مراحل میں بالکل یکساں رویہ معین راستے میں پیش قدمی جس پر بلاسبب طہارت اور پاکیزگی کا خول چڑھا دیا گیا۔

آخر کار یورپ کا انسان موجودہ دور میں اپنی حیوانیت اور مادیت میں ڈوبتا گیا اور اسلام انسان کی زندگی کے روحانی رجحان کو نقصان پہنچائے بغیر لذت حیات کی اجازت دیتا رہا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام عالم انسانیت کے لئے

﴿۱﴾ اسلام وعقل

عالم طبیعیات کے انسانی استفادہ انکشافات، انسان کو اپنی ذات بڑھانے اپنی ذات کو وجود کے لئے حقیقت کے چشموں سے ملانے اور زمین پر حکومت کرنے کی خاطر مخلوقات سے حکیمانہ خدمت لینے کے لئے عقل کا استعمال ضروری ہے۔ قرآن مجید ایسی آیتوں سے لبریز ہے جن میں اللہ نے کافروں اور گمراہوں کے کفر و گمراہی پر ان کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے دانشمندانہ طور پر عقل سے کام نہیں لیا۔ اندھی تقلید اور عقل کو بے کار سمجھنے والوں کی تقلید جامد پر ملامت کی ہے قرآن میں ان آیتوں کا بہت بڑا مجموعہ ہے جن میں انسان کو تفکر و استعمال عقل، کائنات کے مطالعے، تجربے اور ان قوانین فطرت کے دریافت کرنے کا حکم ہے جو کائنات میں کارفرما ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴﴾

اس میں بلاشبہ عقل مند گروہ کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ [۱]

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۲۱﴾

بلاشبہ اس میں عقل مند قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔ [۲]

کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ

---

[۱] سورۂ الروم: ۲۴

[۲] سورۂ الزمر: ۲۱

أُولُوا الْأَلْبَابِ﴿۲۹﴾

اس کتاب کو تم پر مبارک بنا کر نازل کیا کہ لوگ اس کی آیتوں پر
دھیان دیں اور صاحبان عقل اسے اچھی طرح سمجھیں۔[1]

یہ اسلام کا موقف ہے۔ عیسائیت کے نظام وقانون میں بے چاری عقل زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے یہ جکڑ بند صرف اس صورت میں ٹوٹ سکتی ہے جب آدمی عیسائیت چھوڑ دے کیونکہ عالم الوہیت سے رابطہ رکھنے والا کلیسا جو باتیں کرتا ہے وہ معمہ ہیں، عقل کے احترام کا قائل انسان ان معموں پر یقین نہیں رکھ سکتا۔ ایمان نہیں لا سکتا، البتہ کلیسا اسے مانتا ہے اور اس پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ کیتھولک چرچ تو کائنات وطبیعت کی اپنی خاص تعبیر رکھتا ہے اس تصویر میں کسی تغیر وتبدل کی اجازت نہیں۔ ''حقائق کلیسا'' کی غلطیاں ثابت کرنے کی پاداش میں متعدد دانشور جلاوطنی اور موت کی سزاؤں سے دوچار ہوئے کلیسا کہتا تھا ''کلیسا پر اللہ کا ہاتھ ہے'' اس بنیاد پر پوپ حضرات کا ایک ہی مسئلہ میں متضاد احکام صادر کرتے رہے کیونکہ اللہ ان کے ساتھ ہے کا عقیدہ عام تھا۔ بہر حال ان کا عوام سے ان سب باتوں پر تصدیق ویقین کامل کا مطالبہ تھا۔

''عیسائیت قانونی'' میں یہ ہے عقل کا درجہ۔ آخر کار ایک عقل کلیسا سے باہر نکل گئی اور یورپی انسان نے دین کے بدلے عقل کی قیادت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد کچھ عرصے تک تو عقل کی سلطانی رہی لیکن پھر اسے مشاہدہ پسندوں نے معزول کر دیا ان کا نعرہ تھا اصلی معرفت طبیعت ہے، عقل کچھ نہیں۔ اب عقل مادے کے انعکاسی مشاہدے کا نام رہ گیا اس کے ردعمل میں انسان کی مادہ پسندی اور حیوانیت نے اس سے ایسے تمام شاندار حقائق چھین لئے جن سے دور ہو کر انسان انسان ہی نہیں رہتا۔ ہمارے عہد کا مغربی انسان ادراک کی قدرت سے دور ہو چکا ہے۔ جو اس کی گرفت میں نہ آنے والے معلومات کے سہارے وہ انسانی مشکلات حل کر ہی نہیں سکتا۔ ہم نے ابھی کہا ہے کہ یورپی افراد نے

[1] سورۂ ص: ۲۹

میسحیت کے بدلے جن فکری نظاموں کو قبول کیا وہ بھی انسانیت کی ضد تھے۔ کیونکہ انہوں نے انسان کی روحانی جہت کا انکار کر رکھا تھا۔

﴿۲﴾ اسلام اور انسانی آزادی:

آزادی کے معنی ہیں داخلی آزادی۔ اختیارات واستعمال کی آزادی۔ سیاسی اقتصادی اور معاشرتی آزادی نہیں۔ کیا انسان داخلی آزادی کے ساتھ اس کائنات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ جو زندگی کی ڈگر بنی ہے اسے قول و فعل کے ساتھ باعزت انداز سے طے کر سکتا ہے؟

ہاں، اسلام نے انسان کو آزاد مخلوق مانا ہے اسے اپنے اختیارات سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی ہے لیکن اسے جواب دہ بھی قرار دیا ہے۔ کیونکہ انسان آزاد ہے، ذمہ داری اور جواب دہی آزادوں ہی کو کرنا پڑتی ہے۔ انسان آزاد ہے اللہ نے اسے راہ ہدایت کے دستور دیئے ہیں گمراہی سے روکا ہے عقل کی دولت دی ہے جس سے وہ ادراک و امتیاز کرتا ہے قدرت وامکانات دیئے ہیں کہ چیزوں کو پسند و ناپسند کرے۔ ارادہ بخشا ہے کہ اپنا اختیار عمل میں لائے۔ اور اس طرح ایک تصور واقعہ بن جائے۔

إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّإِمَّا كَفُورًا ۝٣

ہم نے اسے راستہ بتادیا، اب وہ شکر گزار ہے یا ناشکرا۔ [۱]

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۗ

تمہارے رب کی طرف سے بصیرتیں آچکیں اب جو دیکھتا ہے تو اس کی ذات کا فائدہ ہے، جو نہیں دیکھتا اسے اس کا نقصان بھگتنا ہو گا۔ [۲]

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۗ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا

---

[۱] سورۃ الانسان: ۳

[۲] سورۃ الانعام: ۱۰۴

مَا اكْتَسَبَتْ ط

اللہ، انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ پابند احکام نہیں کرتا
جو اچھے کام کرے گا اسی کو فائدہ ہوگا اور جو برے کام
کرے گا اسی کو اس کا نقصان ہوگا۔ [1]

اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں۔ انسان اپنے عمل کا جواب دہ ہے۔

ط اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾

جو کچھ تم کرتے رہے ہو آج تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا [2]

مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ لا

جو برا کام کرے گا اس کا بدلہ اسے دیا جائے گا [3]

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿٣٩﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿٤٠﴾

انسان کو اتنا ہی ملے گا جس کے لئے وہ محنت کرے اور اسے
اس کی محنت کا نتیجہ دکھا دیا جائے گا [4]

ان کے علاوہ بہت سی آیتیں اور بھی ہیں۔

اسلام کے مقابلے میں موجودہ تمدنی رجحان اس کے برعکس ہے نئی تہذیب میں انسان محروم از اختیار مخلوق ہے۔ ایک معین راستے پر چلنے کا پابند ہے اس سے ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکتا۔ تمدن وثقافت اور اقتصادیات کے مذہب اور نفسیات کے تعلیمی ادارے اس نظریئے کو انسان کے دل و دماغ میں پیوست کرنے کی مہم جاری کئے ہوئے ہیں۔ لیکن

---

[1] سورۃ البقرہ:۲۸۶

[2] سورۃ الجاثیہ:۲۸

[3] سورۃ النسا:۱۲۳

[4] سورۃ النجم:۳۹،۴۰

ہم اگر مادی دنیا کی اس قابل توجہ مخلوق سے اس کی داخلی آزادی بھی چھین لیں تو پھر اس انسان کے پاس بچا ہی کیا ہے؟ جب انسان سے آزادی کی نفی کر دی تو ذمہ داری بھی چھین لی۔ جب ذمہ داری ختم ہوگئی تو اخلاق بھی اٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد بے اختیار انسان سے یہ توقع کیونکر ہو سکتی ہے کہ وہ ذاتی طور پر کوئی معین راہ زندگی اختیار کرے گا اخلاق ان امکانات میں جنم لیتے ہیں جب انسانی آزادی اپنے عملی تجربے کرتی ہے اور ان امکانات کا خاتمہ سارتر کے ملحدانہ فلسفہ وجودیت کے اس فیصلہ نے کیا جس میں ارادہ کو ردعمل کا نام دیا گیا۔

فلسفہ وجودیت کے نقطہ نظر سے انسان بے قید و شرط آزادی اور بے اصول وقانون خواہشات سے عبارت ہے۔ لہٰذا نہ اللہ ہے نہ دین نہ اخلاق۔ مغربی انسان ان متضاد تعلیمات میں الجھا ہوا ہے اسے کوئی سیدھی راہ نہیں ملتی۔

﴿۳﴾ اسلام اور انسانی ترقی:

جو دین انسان کو بیرونی دنیا سے مثبت عملی رویئے کی دعوت دیتا ہے جو عقل انسانی کا احترام اور اسرار کائنات دریافت کرنے کے لئے عقل وفکر استعمال کرنے کی سفارش کرتا ہے جو انسان کے آزاد و با اختیار ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ وہی دین انسانی ترقی کا خواہش منداور اس کرہ ارض پر زندگی کو آگے بڑھنے اور دائمی طور پر اسے جدید تر دیکھنے اور حسن روز افزوں کی حمایت کرنے کا حق رکھتا ہے۔

انسانی ترقی کے اصل سبب علم کے بارے میں اسلام کی توجہ اور دلچسپی کی حد معلوم کر کے ہم حیرت وتعجب میں رہ جاتے ہیں کتاب وسنت ایسے شواہد سے مالا مال ہیں جن کی رو سے اسلام میں علم وعلما کی بلند منزل کا بیان ہے۔

مسلمانوں کی تاریخ کے حقائق سب سے بڑے گواہ ہیں کہ بڑے بڑے فتوحات سے پہلے مسلمان اپنی بے نظیر محنت وتوجہ سے نئی زندگی کو پروان چڑھاتے رہے تاریخ کے محققین ہمیشہ سے اس حقیقت کا اعتراف کرتے چلے آئے ہیں مسلمان علمی بحث میں تجربے کے اس حد تک قائل تھے کہ ''مسیو لوبون'' کے الفاظ میں ان کا قاعدہ کلیہ

تھا ’’تجربہ کرو، مشاہدہ کرو، غور وفکر سے کام لو عارف و عالم بنو گے‘‘۔

کلیسا اسلام کے اس موقف کے برعکس عالم مادہ سے منفی رویہ اور عقل انسانی کو حقیر اور فکر ترقی انساں کو مضرت رساں سمجھتا ہے۔ بلکہ وہ تو زندگی کو جدید مراحل میں داخل ہونے سے روکتا ہے اس نے روشن دماغ علما کو رد کر دیا۔ لہٰذا معاصر انسان کلیسا کو چھوڑ کر علم وایجاد کے میدان میں آگے بڑھنے پر مجبور ہو گیا۔

گمراہ کن فکری نظام کے ہاتھوں اہل مغرب نے مسلمانوں سے سیکھے ہوئے تجرباتی عمل ہی سے بحث ونظریہ کا سرمایہ نہیں بنایا۔ جیسا کہ مسلمانوں کا بنیادی طریقہ تھا۔ اہل مغرب اس اعلیٰ درجے کے قانون سے آگے بڑھے اور انہوں نے نفس انسانی کو صرف تجربہ کا پابند بنانا چاہا جس کے نتیجے میں انحراف وگمراہی کا شکار ہو گئے۔

اسلام عالمی دعوت ہے عالمی دعوت اس لئے ہے کہ انسانیت کا داعی ہے۔ دین فطرت انسانوں کے کسی گروہ اور وطن کے کسی حصے کو مخاطب کر کے دوسری نسلوں اور دوسرے خطوں کو نظر انداز نہیں کرتا۔

اسلام کی بین الاقوامی دعوت کا فقط یہی وصف نہیں کہ وہ تمام انسانوں کو پکارتا ہے بلکہ انسانیت کے مشترک مسائل کا حل بھی پیش کرتا ہے اور انسان کو اندھیروں سے نکالتا اور اس کے اوپر روشنیوں کی بارش کرتا اور اسے عمدہ قسم کا شعور بخشتا ہے۔ جو چیزیں انسان کے جوہر اور اس کے حقائق سے دور ہیں اسے تقسیم ودرجہ بندی یا موت سے دوچار کرتی ہیں۔ اسلام ان سے جنگ کرتا ہے۔ رہی یہ بات کہ انسانوں کے ہر گروہ سے کچھ سماجی اور مفاداتی اختلافات ہوتے ہیں۔ ان اختلافات کے لیے اسلام دلوں کی وحدت کا رشتہ پیدا کرتا ہے۔

جدید وقدیم تحریکوں میں صرف اسلام ہی کے پاس ایسے اسباب وسائل ہیں اسلام کا نبی کریم (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ ہے جس کے لئے ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا

ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لئے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا

ہے۔[۱]

اس آیت میں بلا استثنا، جغرافیائی تقسیم، نسلی رنگ اور اجتماعی اختلاف، مفلسی و دولت مندی کے فرق کو نظر انداز کر کے سب کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یَاَیُّهَا النَّاسُ۔ قرآن عظیم کا عام ندائیہ جملہ ہے۔ کتاب وسنت انسان میں مشترک معاملات کو سامنے رکھ کر ایک قبیلہ اور ایک بنیاد اور ایک راہ اور ایک انجام کی بات کی گئی ہے۔

یَاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ

اے لوگو! اپنے اس رب سے تقویٰ اختیار کرو جس نے
تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے جوڑے خلق کئے
اور جوڑوں سے زن و مرد میں فراوانی کی۔[۲]

یَاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ۔

لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے خلق کیا،
تمہیں قوموں قبیلوں میں جان پہچان کے لئے رکھا، تم میں
زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔[۳]

اسلام نے رنگ، نسل، قومیت اور معاشرت اور اس اختلاف کے خلاف زبردست جنگ کا اعلان کر رکھا ہے جس نے انسانوں کو الگ الگ حلقوں میں بانٹ دیا۔

---

[۱] سورۂ سبا: ۲۸

[۲] سورۂ النسا: ۱

[۳] سورۂ الحجرات: ۱۳

اس نے تمام انسانوں کو اصل ونقطہ اساس کی طرف بلایا ہے اور یہی بات ماننے کی ہے۔ نقطہ افتراق عارضی چیز ہے اسے بنیاد بنا کر فرقہ وگروہ بندی کا سلسلہ نہ شروع کرنا چاہئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے۔

''عربی کو عجمی اور قرشی کو حبشی پر کوئی برتری نہیں اگر برتری ہے تو تقوے کی بنیاد پر ہے''۔

لوگو! تمہارا رب ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم علیہ السلام سے اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے بلاشبہ تم میں اللہ کے نزدیک معزز تر وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔ عربی کو عجمی، سرخ کو سفید اور سفید کو کالے پر کوئی برتری نہیں۔ برتری کا معیار صرف ''تقویٰ'' ہے۔

اسلام، تمام انسانوں کے احوال ومعاملات، خصوصی اور عمومی طور پر دیکھ بھال سکتا ہے ان کے ضروریات کی کفالت کرتا ہے، زندگی کو قرار، استواری تعلقات کو کمال تک پہنچنے کی راہ دیتا اور گم شدہ انسانی اعزاز کو بحال کرتا ہے۔

دنیا میں بہت سی تحریکیں موجود ہیں، مثلاً عیسائیت جو عالمی ہونے کی مدعی ہے۔ اس کی کتاب مقدس کہتی ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ سب کتے ہیں۔ دنیا میں انسانیت کبھی آئی ہی نہیں۔ مارکسزم، نئے عہد کی پیداوار ہے اس کے ماننے والے اپنی تحریک کو عالمی کہتے ہیں۔ اس کا حال یہ ہے کہ وہ روز اول ہی سے انسانی تحریک نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف مادے سے ہے اس تحریک نے عظمت کے سرچشمے اور روحانی پہلو، انسانیت کے منفرد نقطہ امتیاز سے انسان کو جدا کر دیا، چونکہ یہ فکری نظام انسانی نہیں ہے اس لئے عالمی تحریک بھی نہیں۔ کیونکہ عالمی نظام کی بنیادی شرط ہے انسان کو ماننا۔

مقابلے میں اسلام باقی رہا، اسلام منفرد ہے اسلام عالمی تحریک ہے وہ جیسے کل تھا ویسے ہی آج ہے۔ وہ اسی شان سے اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اللہ زمین اور تمام اہل زمین کا اکیلا وارث نہ ہو اور قیامت آجائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام فکری وانقلابی ہے

انسانی زندگی ہمیشہ سے رنگا رنگ مصائب و مشکلات کا میدان رہی ہے، کچھ بلائیں انسان کو دکھ میں پھنساتی اور لاغر بناتی ہیں۔ کچھ بلائیں اسے خوش کرتی اور مطمئن بناتی ہیں لیکن دراصل سب کچھ شر اور خیانت ہے کبھی انسان محسوس کرتا ہے کبھی محسوس نہیں کرتا، یہ شر انسانیت کے حسن وکمال کو تباہ کر دیتا ہے۔ اس شر کے سرچشمے کی دریافت انسانی سعادت ونجات کی راہ میں ایک بڑا قدم ہوگا۔ آخر ان بلاؤں کا نقطہ آغاز اور اس کے اسباب ہیں کیا۔؟

مغربی دنیا کے داعیان اصلاح اور نئی روشنی سے متاثر معاشرے کہتے ہیں۔ فساد زوال اور بلائیں، جن سے انسان دکھ میں مبتلا اور اس کی زندگی آسیب سے دوچار ہے اس کا سبب سوسائٹی کے وہ ادارے ہیں جن کی فضا میں انسان زندگی کے تجربے کرتا ہے ہمیں انسانی زندگی کی اصلاح وتہذیب کے لئے ثقافتی اداروں کی اصلاح کرنا چاہیے جس کے بعد کامل ومکمل انسان وجود پذیر ہو سکے گا۔ انسان خود بلا وشر کے اسباب میں سے کوئی عامل نہیں ہے انسان بجائے خود اصلاح کے تمام شرائط و اوصاف سے آراستہ ہے۔ ان تعلیمات وافکار نے دنیا کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ ہر ایک اپنے انداز پر انسانی حقوق کو حل کرنا چاہتا ہے۔ جو بات آپ کو اس انداز فکر کی غلطی اور صحت سے فاصلہ واضح کرے گی وہ ہے ان تحریکوں کے نتائج میں جنگ، دشمنی اور تباہ کن فسادات، ہماری بات پر انسانی روزمرہ زندگی کے واقعات گواہ ہیں۔

اسلام وہ انسانی عالمی دعوت ہے جو تمام مظاہر حیات کو اپنے دائرے میں لئے ہوئے ہے اس کا نصب العین اسی زندگی کو بلند وشاندار بنانا ہے اسلام مذکورہ رجحان اور اس طریق کار کی ہمت افزائی نہیں کرتا۔ کیونکہ معاشرتی اداروں کی فساد آفرینی اور انسان کے

زوال میں اس کا اثر ناقابل انکار ہے لیکن وہ ثانوی سبب شر وفساد ہے پہلا اہم عامل خود انسان ہے اس کا سبب یہ ہے کہ ادراک ومشاہدہ حیات انسانی خود انسان کی اندرونی دنیا سے الگ نہیں ہے وہ تو سب کچھ خود انسان کا ساختہ و پرداختہ ہے وہی اپنی زندگی کے مظاہر بناتا ہے وہی اس پر خیر وشر کا رنگ چڑھاتا ہے اسے اپنی خواہشات کے مطابق پسندیدہ سانچوں میں ڈھالتا ہے۔

اس بنا پر حیات انسانی کی اصلاح وتہذیب کے لئے پہلے خود انسان کی اصلاح کی جائے اور اس کی ہیت اندرونی طور پر یوں بدلی جائے کہ اس کے بلند نصب العین اس کی فطرت موجود حقائق سے ہم آہنگ ہو سکے۔ پھر جس فضا اور ماحول میں وہ سانس لے رہا ہے اس معاشرے کے اداروں میں بہتر تبدیلیاں لائی جائیں ایسے اقدار پیدا ہوں جن سے بحد امکان زندگانی دنیا سعادت بن سکے۔ جب یہ دونوں عمل مکمل ہو جائیں تو ضمانت دی جا سکتی ہے کہ انسان دنیا سعادت بن سکے۔ جب یہ دونوں مکمل ہو جائیں تو ضمانت دی جا سکتی ہے کہ انسان معاشرتی اداروں کے باوجود شر وفساد کی طرف نہیں مڑے گا اور خود معاشرتی ادارے انسان کو خراب کر کے شر اور تباہ کاری کی جانب نہیں لے جا سکیں گے۔

نیک انسان اپنے کردار کے ذریعہ معاشرتی اداروں کو خیر وسعادت کے رنگ میں رنگے گا اسلام اسی زاویہ نظر سے اصلاح کی فکر پیش کرتا ہے اگر ہم نے ظاہر کو چمکدار بنایا اور خود انسان کے اندر تبدیلی لانے کو چھوڑ دیا تو محنت رائیگاں جائے گی کیونکہ فساد نگاہوں سے اوجھل ہو کر گہرائیوں میں جا چھپے گا اور ہماری کوشش کے برعکس ہم خود معاشرتی اداروں کو تباہ کر کے ظاہری برائی کے اندر اپنی گندگی گھول دیں گے۔

اسلام نے موجودہ صورت حال کی اصلاح اسی طرز پر کی ہے یعنی معاشرتی اداروں کی اصلاح کے بغیر انسان کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کی جیسے عیسائیت اور تصوف کا طریقہ ہے نہ یہ کیا کہ انسان کی اصلاح سے قطع نظر کر کے معاشرتی اداروں کی تطہیر کا عمل شروع کر دے جیسے آج کے مذاہب اور آج کی تحریکیں چاہتی ہیں جو ناکام ہو رہی ہیں

اسلام نے موجودہ حقائق اور انسان دونوں کے سامنے رکھتا اس کا نتیجہ ایک عظیم معجزہ ہے۔ انقلاب اسلامی ایران جس کی مثال نہ پہلے تھی نہ اسلام کے علاوہ کوئی تحریک آئندہ اس کی مثال پیش کر سکے گی۔

اسلام کا دائمی اصول ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ؕ

بلاشبہ اللہ کسی قوم میں اس وقت تک تبدیلی نہیں لاتا جب تک وہ خود اپنے اندر تبدیلی نہ لائے۔[1]

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ ۙ۔

بات یوں ہے کہ اللہ کسی قوم سے اپنی دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک وہ قوم اپنے اندر تبدیلی نہیں لاتی۔[2]

دنیا بھر کے اصلاح پسند دانشوروں کے لئے رہنما مینار یہی اصول ہے۔

ہم بنیادی توضیحات کے بعد یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلامی فکری پیغام دراصل انقلابی فکر ہے جو انسان کے لئے اہم ترین قوانین وضع کرتی ہے جن کی روشنی میں شخصیت، اس کے نفسیات وافکار، زندگی اور کائنات کے بارے میں حقائق جگمگا جاتے ہیں۔ وہ عمل کا پیمانہ وضع کرتا ہے جو زندگی اور فکر ونظر کے عقلی رویئے کو معین کرتا ہے اس کے بعد انسان کامل اعلیٰ درجے کی اساسی حقیقتوں پر ابھرتا ہے انہی پر معاشرے کی عمارت کھڑی کرتا ہے اسلام کی نظر میں مسئلہ کا حل انسانیت کی تعمیر ہے اس کی روحانی وفکری خصوصیات کا احیا جس کے بعد وہی انسان اپنی تمام ذمہ داریاں اور عالمی اصلاح مشن کا

---

[1] سورۂ الرعد:۱۱

[2] سورۂ انفال: ۵۳

بوجھ اٹھائے ہوئے ہے صرف معاشرتی ترمیم واصلاح کی بات نامکمل ہے۔

اسلام کا بنایا ہوا فکری ڈھانچہ سمجھنے کے ساتھ اس فکری نظام کو بروئے کار لانے کی بات بھی دیکھئے، وہ طریقہ کیا ہے جس کے مطابق افکار کو نافذ اور قابل عمل بنایا جائے؟ تو اسلام نے مارکسزم کی طرح معین ومحدود آؤٹ لائن اور آخری خطوط نہیں بتائے کہ ہر صورت حال میں فقط انہی لائنوں پر عمل کیا جائے اور صرف انقلاب (خون اور آگ) ہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ مفاہیم کی تطبیق ہوسکتی ہے۔

اسلام اپنے پیغام کو فقط انقلاب اور پورے ڈھانچے کو مکمل طور پر درہم برہم کرنے کا محتاج نہیں مانتا۔ یہی اس کی فکری ساخت بھی ہے۔ اسلام حقیقی انقلاب کو شرائط و احوال اور انتہائی ضروری حالات کا پابند کرتا ہے اور ایسے رویئے بھی جو اس کے مثالی نصب العین اور اقدار سے ہم آہنگ ہوں۔

اسلام، فکری انقلاب ہے اور اس کا طریقہ صورت احوال تقاضائے وقت، عمومی شرعی احکام کا پابند ہے جس میں جہاد، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، تبلیغ، تعلیم، تقیہ، جیسے طریقے موجود ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام اور تاریخ

تاریخ انسان سے جدا اور اس کے مخالف ہونے کے بجائے انسان سے جڑی ہوئی اور پیوست چیز ہے۔ انسان ہی تاریخ کی تعمیر و تدوین کرتا ہے انسان ہی اس کا راستہ اور رفتار کا رخ معین کرتا ہے۔

معاشرہ فقط مادی مظہر ہی نہیں بلکہ اس کی معنوی حقیقت بھی ہے، معاشرہ و ثقافت انسانی گروہ کا ایک ایسا مظہر و آئینہ ہے جس میں عوام کے اختیار کردہ عقیدہ کی نمود ہوتی ہے اور اس میں عقیدے کے رنگ جھلکتے ہیں انسان ہی وہ مخلوق ہے جو تقاضوں اور تہذیبوں کو جنم دیتا ہے کائنات کی تعمیر کرتا ہے اور زندگی کو ثروت مند اور ہر آن نیا بناتا ہے۔ غالباً یہ بات محتاج دلیل نہیں کہ انسان صاحب عقیدہ مخلوق ہے وہ اپنے عقیدے کے مطابق زندگی کا راستہ طے کرتا ہے۔ ماضی میں کوئی ثقافت اور مستقبل میں کوئی تہذیب ایسی نہیں جس میں آدم زاد کسی ایسی زندگی کا تجربہ کرے جس کا نظم و نسق عقیدے پر قائم نہ ہو۔ کیونکہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ معاشرہ ایک معنوی مظہر ہے۔ جہاں نہ کوئی عقیدہ ہو نہ کوئی نظام وہاں کوئی معاشرہ و ثقافت بھی نہ ہوگی۔

انسانی عقیدہ وہ روشندان ہے جس سے دنیا کو جھانک کر دیکھا جاتا ہے، عقیدہ ہی مادی اور معاشرتی ماحول میں معاملات و روابط کے رویئے منضبط کرتا ہے۔ لہٰذا حرکت، تاریخ کا اساسی پتھر ضروری ہے اور عقیدہ جو انسانی امنگوں کو ابھارتا ہے ہر آن اس کی زندہ تعبیر ہونا لازم ہے۔ اسی بنا پر ہر انسانی معاشرے کی تاریخ اصل میں اس عقیدے کی سمت حرکت کی تاریخ ہے اور عین اسی لمحے خود اس عقیدے کی بھی تاریخ ہے کیونکہ عقیدے ہی سے زندگی معاشرے میں ڈھلتی ہے اور معین اسلوب سے چلتی ہے معاشرہ عقیدے سے اور عقیدہ معاشرے سے مل کر بروئے کار آتا اور تجربے کرتا ہے۔

فطری بات یہ ہے کہ ہمارے توضیحات کے بعد ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ عقیدہ کی بنیاد پر انسان تاریخ بناتا ہے اور وہی تاریخ انسان کی حقیقی وواقعی زندگی سے رابطہ رکھتی ہے اور اگر ایسا نہ ہوتو کوئی اور محرک تاریخ بنانے والا ماننا ہوگا۔ یعنی عقیدے کے علاوہ کوئی اور علت وسبب ماننا ہوگا جو تاریخ سازی کا عمل کرے۔ لیکن کوئی دوسرا موثر سبب موجود نہیں ہے۔

اس صورت میں ہمیں سوچنا چاہئے کہ تاریخ کے بارے میں اسلام کا رویہ کیا ہے؟ اسلام کس موقف کا حامی ہے؟ تاریخ میں اسلام کا حصہ کتنا ہے؟ اور آج کی صورت حال کیا ہے؟ مستقبل میں کیا احتمالات ہوسکتے ہیں؟

صرف اسلام وہ روشن دان ہے جس سے مسلمان دنیا میں جھانکتا ہے لہٰذا اسلام و انسان کی زندگی کے لئے موزوں ومناسب موقف مہیا کرتا ہے یہ نہیں کہ اسے اندھیروں میں ہاتھ پیر مارنے کے لئے چھوڑ دے اس نے واقعات پر مبنی □ صحیح منطقی موقف معین کرنے کے بعد پابندی کا مطالبہ بھی کیا پوری دنیا اسلامی زاویہ نظر سے مسلمان کے واسطے ایک میدان ہے جس میں وہ اللہ کی رضا کے مطابق اپنے عملی و تاریخی وکائناتی فرائض بجالانے کی جدوجہد کرتا ہے۔

چھوٹا، بڑا، حقیر یا عظیم جو کام بھی مسلمان حکم اسلام کے مطابق بجالاتا ہے تاریخ سازی میں وہ عمل اپنا کردار انجام دیتا ہے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ معاشرے کو مسلمان کرنے کی جدوجہد کرے اور اسے اسلام کے پسندیدہ رنگ سے رنگین بنائے۔ اسی وجہ سے زندگی کے سانچے اور تاریخ کے خاکے بنانے میں وہ راستے تلاش کرنا پڑتے ہیں جو تاریخ کا ڈھانچہ بنتے ہیں۔ اسلام صوفیانہ نظام نہیں جو انسان کو واقعیت سے الگ کر کے سب کچھ ٹھکرانے اور سب سے جان بچانے کا مشورہ دے۔ اسلام انسان اور موجود وچشم دید حقائق کے درمیان مخلصانہ رشتوں کا نظام ہے موجود حقائق میں سے ایک حقیقت تاریخ بھی ہے۔ مسلمان اور انسان کی نسبت سے تاریخ کوئی جداگانہ اور الگ سی چیز کے بجائے اس سے متصل اور چسپاں شے ہے مسلمان ہی اسے بناتا اس کے اسلوب کو متعین کرتا اور اپنے

پسندیدہ رخ پر موڑتا ہے اسلام میں انسان تاریخ ساز ہے کیونکہ انسان آزاد ہے اور چونکہ آزاد ہے اس لئے ذمہ دار اور جواب دہ بھی ہے۔

مارکسزم میں تاریخ ارادہ واختیار انسانی سے ماورا ہے مارکسزم میں انسان آزاد نہیں ہے، اسے اسلام کی تعلیم کے برخلاف اپنے کردار سے تاریخ کا رخ موڑنے کا حق نہیں وہ تاریخی عمل کا پابند ہے، تاریخ اسے چلاتی اور اس کے وجود پر حکومت کرتی اور زندگی کا خاکہ لکھواتی اور بنواتی ہے۔

کلیسا کی عیسائیت بھی اسلام کے خلاف ہے کلیسا کی نظر میں انسان آزاد وخودمختار نہیں اسے اپنی پسند کے مطابق تاریخ کا رخ متعین کرنے کے بجائے تاریخ کا محکوم بننا پڑتا ہے اس کی رفتار، زندگی کا رویہ اور نتیجہ تاریخ کے ہاتھ میں ہے تاریخ ہی اسلوب حیات لکھواتی ہے اور اپنی پسند سے زندگی گزارنے پر مجبور کرتی ہے۔

اسلام کے برخلاف عیسائیت کہتی ہے عالم ارضی میں تاریخ کی حاکمیت مسترد ہے۔ انسان کو اس دنیا سے ہر قسم کا تعلق ختم کرنا چاہئے اس قطع تعلق کا ایک ہی ذریعہ ہے۔ تاریخ کو ٹھکرا دے اسے غلط مانے اس کے اوپر سے گزر جائے اور اس عمل کے لئے انسان کو اپنی ذات اور بقا کے لئے بیرونی دنیا سے جن مربوط خواہشات کا سامنا کرنا پڑتا ہے انہیں کچل کر زندہ درگور کر دے۔

مارکسزم تاریخ کے بارے میں مثبت موقف اختیار کرتا ہے لیکن انسان کو تاریخ کا غلام بنا کر اسے آزادی سے محروم اور اختیار سے عاری کر کے کچل دیتا ہے۔

بظاہر عیسائیت کا مثبت رجحان اس وقت نظر آتا ہے جب وہ انسان کو خلاصہ منتہائے بلند قرار دیتی ہے۔ لیکن جب تاریخ کی بات آتی ہے تو یہی عیسائیت منفی رویہ میں بدل جاتی ہے اور انسان اور اس کے زندہ حقائق کے خلاف زندگی کے تحفظ کے لئے انسانی خواہشات کو دفن اور اس کے ضروریات کو کچل دیتی ہے اور اسلام تمام ادیان وعقائد میں وہ منفرد دین ہے جو انسان اور تاریخ دونوں کے ساتھ مثبت رویہ رکھتا ہے انسان کو ایسی داخلی

آزادی تسلیم کرتا ہے جو تاریخ اور اس کا اسلوب بناتی ہے۔

اسلام کی خود ایک تاریخ ہے یہ خوشگوار و اثر انگیز حقیقت بہت سے لوگوں پر عیاں نہیں ہے لیکن تمام اثر انگیز حقائق سے زیادہ حقیقت یہی ہے کہ اسلام کی ایک تاریخ ہے۔ جب کہ عیسائیت کی تاریخ نہیں ہے اس کی تاریخ ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ عیسائیت کائنات ارضی کو تسلیم نہیں کرتی اس بارے میں وہ منفی موقف پر ہے اور اسلام فقط یہی نہیں کہ انسان اور تاریخ کے موضوع پر مثبت رجحان رکھتا ہے بلکہ اسلام تو تاریخ کا خلاق و موجد ہے۔

دعوت اسلام کی حرارت نے زندگی اور عمل کے باہمی فعل و انفعال تاثیر و تاثر سے بہت عمدہ نتائج دیئے تہذیب اور ایسی دلکش ثقافت جو بشریت کی طویل تاریخ میں پہلی مرتبہ دیکھی گئی اسلام کی ثقافت نے ایسی مدنیت و شہریت کی نیو رکھی جو تاریخ قدیم و جدید میں بے مثال ہے ایسے منفرد انسان کا تصور اور سمبل پیش کیا جہاں تک پہنچنے کے لئے نسل آدم ہمیشہ سے جدوجہد کر رہی ہے اور اس نقطہ کمال تک صرف اسلام ہی کی راہ سے پہنچا جا سکتا ہے۔

اسلام نے تاریخ کو جو ''انسان'' دیا ہے وہ بہت بڑا عطیہ ہے جسے تاریخ بشریت نے حاصل کیا بشریت نے پہلی مرتبہ کامل و مکمل تخلیق کا نمونہ دیکھا وہ انسان جسے مثالیت کی بلندی اور واقعیت کی سطح پر کوئی تصادم کا خطرہ نہیں بہت سے انسانوں بہت بڑے بڑے جغرافیائی خطوں، رنگارنگ حالات اور عجیب و غریب ماحول میں جب وہ انسان دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مثالی انسان اتفاقی حادثہ یا بس ایک واقعہ نہیں بلکہ اسلامی مدنیت اور منفرد مدینہ فاضلہ کے تصور کا منطقی نتیجہ تھا اور ہے یہ انسان، اسلامی ثقافت نے ڈھالا اور اسے اسلامی تمدن نے پیش کیا ہے۔

جو کچھ عرض کیا یہ معمولی بات نہیں دنیا میں کوئی عقیدہ اپنی گہرائی، گیرائی اور تسلسل کے ساتھ اس طرح کا نتیجہ پیش نہیں کر سکتا۔ اکا دکا مثالیں بڑے بڑے وقفوں کے ساتھ ضرور ملتی ہیں وہ بھی قرآن کریم میں، اسلام کی کتاب اور اسلام کی تاریخ کے حوالے سے۔

ماضی و حال کا انسان ہر زمین پر اعلیٰ مثالی اقدار اور موجود حقائق کی کشمکش میں مبتلا

ہے۔اس کی ایک مثال کافی ہے۔عیسائی انسان نے کچھ تہذیبوں کو جنم دیا جن میں آخری نمونہ موجودہ تہذیب ہے۔لیکن یہ ثقافتیں اس عیسائیت کی پیدا کردہ نہیں ہیں جو عالم ارضی اور تاریخ کو رد کرتی ہے۔یہ پیداوار اس دورخے پن کا نتیجہ ہے جس میں ایک عیسائی زندہ انسان کی وجہ سے پھنستا ہے خارجی دنیا سے واقعی رشتہ، اور ترک دنیا، صاف بات ہے کہ ثقافت و معاشرہ ترک عیسائیت وقبول دنیا کا ثبوت ہے یہیں سے مغربی انسان کے نفسیات میں تصادم رونما ہوتا۔سامنے آنے والے حقائق اور اعلیٰ اقدار کسے مانے۔

مارکسزم کا تجزیہ واضح کرتا ہے کہ وہاں یہ تصادم ہلاکت خیز صورت اختیار کر لیتا ہے۔مارکسزم عیسائیت کے اعلیٰ اقدار سے گھبرا کر انسانی زندگی سے اسے نکالنے پر آمادہ ہوا اس کا خیال تھا کہ اس اقدام سے دینی روح کا خاتمہ ہوجائے گا مگر دینی روح انسان کی اصل حقیقت میں سرایت کئے ہوئے ہے اور اسے کچلا نہیں جاسکتا۔خلاصہ یہ ہے کہ جب تک مثالی افکار اور اعلیٰ اقدار کی اصلاح نہ کی جائے اس وقت تک واقعات وحقائق اور زندہ انسان میں داخلی جنگ رہے گی۔

اسلامی زندگی جب مرکز قیادت سے منحرف ہورہی ہوتو اسے اسلام نے تاریخ سازی سے روکا ہے۔ہم اس کے سانحے کا وقت معین کرنا نہیں چاہتے۔سانحہ یہ کہ واقعات اور اسلام کے تعمیری مقاصد میں فاصلہ پیدا ہوگیا۔ہمارے لئے اہم بات نتائج ہیں۔یعنی موجودہ عہد کے مسلمانوں کی زندگی اسلام سے جدا ہوگئی۔کیونکہ اس کے اکثر بڑے بڑے خطوط اسلام سے مستفاد نہیں ہیں۔

موجودہ مسلمان گذشتہ معماران تاریخ کی طرح اسلام پر ایمان کامل نہیں رکھتے، ان کا ایمان اس حرارت وزندگی سے خالی ہے جو شعور کو تاریخ سازی کے عمل میں مقاصد سے ہم آہنگ کرتی ہے۔

استعماری طاقتوں نے اسلامی زندگی کا رخ بدلنے میں اس وقت کامیابی حاصل کر لی جب انہوں نے اکثریت کو یہ باور کرادیا کہ مغربی نقطۂ نظر درست ہے۔دین کا مسئلہ

ذاتی مسئلہ ہے اس کا معاشرے سے کوئی تعلق نہیں۔ دین اور معاشرہ اور عام زندگی، الگ الگ حلقے ہیں معاشرے میں دینی افکار کا مسئلہ ہے ہی نہیں وہ تو انفرادی قضیہ ہے۔

دین کے فرائض میں یہ فریب انگیز تصور موجودہ مسلمان کی گمراہی کا بہت بڑا سبب بنا مسلمان کو اسلام سے دور بلکہ بسا اوقات دشمن موقف تک پہنچانے کا باعث ہوا۔

عالم اسلامی میں پھیلی ہوئی ہوا اور دن بدن بڑھتا ہوا نیا رجحان، اسلام اور اس کے اصولوں نیز انسانی مقاصد وضروریات کے مطابق ہے، نئی شہریت اور اس کا بے سرو پا عالم، معاشرہ اور اس کا رسوا کن و ناکام حال، سیاسی و اجتماعی مسائل کا خلفشار موجودہ انسان کو انسانی پہلو کی نگہداشت کے ساتھ عدل اجتماعی کا نظام قائم کرنے پر مجبور کر رہا ہے......ہم نئی دنیا میں اسلام کے روشن مستقبل سے پر امید ہیں، ہمیں یقین ہے اسلام نئے سرے سے انسان کی قیادت سنبھالنے والا ہے۔ انسان کی طبیعت و فطرت کے خلاف جو کچھ ہے انسان اسے رد کر دے گا اور فطرت خود اپنا راستہ اختیار کرے گی چونکہ اسلام دین فطرت ہے اس لئے اسی کے مفاہیم استوار ہوں گے اور دنیا بھر کے انسان اسلام ہی کے تعلیمات کو صحیح تسلیم کریں گے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰

اپنا رخ دین حنیف کی طرف رکھو، یہی اللہ کی فطرت ہے جس پر اللہ نے انسان کو خلق کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی دین قیم ہے لیکن اکثر آدمی جانتے نہیں۔ [1]

انسان ہمیشہ سے ہمیشہ تک عظمت وجلالت اور شان وشوکت کے ساتھ انسانی عدالت اور کامل انسانی معاشرت میں عدل اجتماعی کا قائم کرنے والا اور انسانی تاریخ بنانے

---

[1] سورۂ الروم: ۳۰

اورانسانیت کا مثالی نمونہ پیش کرنے والا دین ہے۔

(اول وآخر حکم اللہ ہی کا ہے)

ہمارا پیام اور مسلمان کی مشکلات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللهم انا نرغب اليك فى دولة كريمة تعزبها الاسلام واهله وتذل بها النفاق واهله وتجعلنا فيها من الدعاة الى طاعتك والقادة الى سبيلك وترزقنا بها كرامة الدنيا والآخرة۔

یا اللہ! ہم تجھ سے اس کریم ومکرم حکومت کی تمنا کرتے ہیں جس کی وجہ سے اسلام و اہل اسلام معزز اور نفاق و اہل نفاق ذلیل ہوں۔اور ہمیں اپنی اطاعت کے داعی اور اپنی راہ کے قائد بنادے اور ہمیں اس حکومت سے دنیاوآخرت کی کرامت عطا فرما۔

ہمارے عہد کا مسلمان طرح طرح کی مشکلات میں گرفتار ہے۔کچھ مشکلیں فرد سے متعلق ہیں کچھ قبیلے سے، کچھ معاشرے سے کچھ اقتصادی مسائل سے پیداوار اور تقسیم کا معاملہ،عورت اوراس کے مسائل جیسی مشکلات۔

مشکلات سے دو چار ہونے میں کوئی حرج نہیں،آخر زندگی وحرارت وحرکت کے نشیب وفراز ومشکلات ہی میں تو پوشیدہ ہے۔

قید حیات و بند غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

اصل زحمت کی بات آج کے مسلمان کا موقف ہے، وہ زندگی اور پیش آمد میں کیا رخ اختیار کرتا ہے؟ مشکلات زندگی میں اس کا رویہ کیا ہوتا ہے؟ اس کی نفسیات میں کس قدر الجھاؤ آتا ہے؟ اور وہ زندگی کے مقابلوں میں قوت مقابلہ کس طرح کھو بیٹھتا ہے؟

تاریخ کے بدترین وقفوں اور منزلوں سے گزرنے والے آج کے مسلمان نے

جدید ترین ثقافت کا رخ کیا ہے، مسلمان اپنے سابقہ تاریخی انحرافات وغلط اقدامات کے نتیجے میں اپنا بویا کاٹنے والا ہے اس غلط کاری کا بدترین پھل تاریخ بشر کا یہ آخری دور حاصل کرنے کو ہے۔ وہ انسان جس نے نئی تہذیب وثقافت کے فتوحات دیکھے ہیں۔ یہ فتوحات اسے کس قدر حسرتیں اور کتنے صدمے دینے والے ہیں۔

نفسیاتی طور پر زندگی اور سنگین مشکلات میں مسلمان کا موقف انفعالی اور منفی ہو چکا ہے اس کے نتیجے میں یہ انسان جو زندگی کے دھارے موڑتا اور تاریخ لکھتا اور حادثات پر حکومت کرتا تھا اب شکست خوردہ، ناکام اور ناکارہ انسان بن چکا ہے جو اس مثبت اور تعمیری دنیا کو خوف، دہشت اور ڈر کے ساتھ دیکھ کر یہ سمجھ رہا ہے کہ مشکلات کا حل زندگی سے فرار ہے وہ نئے چیلنج کا جواب اور نئی مشکلات کا مقابلہ کرنے کی ہمت کھو چکا ہے۔

اس شکست خوردگی کی منطقی وجہ معلوم کرتے ہوئے ہمیں اس کے سوا کچھ نہیں ملتا کہ انسانی معاشرے سے اسلام کو الگ ایک کنارے میں کر دیا ہے اسلام کو اجتماعی اور اقتصادی مراحل میں تطبیقی عمل سے روک دیا گیا ہے اس کا سبب وہ حکمران ہیں جن کے ہاتھ میں مسلمانوں کی قسمت آ گئی تھی اور اسلام، فرد مسلم کی ذات اور اس کے اندرونی وفکری و جذباتی معاملے کی حد تک محدود ہو گیا، اس کی ذات سے ہوش وجوش وآہنگ نکل کر عالم پر چھا جانے کی قوت سے محروم ہو گیا۔

جب اندرونی دنیا کے سیاسی واجتماعی حالات کی دردناک صورت سے گھبرا کر کوئی مسلمان اسلامی مآخذ ومنابع سے امداد حاصل کرنا چاہئے تو اسلامی عظیم اصول زندگی پر اپنا اثر ظاہر کرتے اور بہتر نتائج دکھاتے ہیں۔ مسلمان آدمی اور اصول اسلامی سے جدائی کا ردعمل واقعی زندگی پر یہ ہوا کہ اقتصادی واجتماعی زندگی تلخ بن گئی ہے۔ زندگی کے بارے میں منفی رجحان اور نئے چیلنج سے فرار نے انسان کو ان انکشافات عظیمہ سے محروم کر دیا جنہیں ماضی میں ان کے اسلاف نے حاصل کیا تھا پھر معرفت اور انطباق کے ذریعے فائدہ پہنچائے انسان ثقافتی ارتقا اور اسلامی اصول حیات تاریخ سازی کے عمل سے دور ہو گئے اسی

سب نے اجتماعی اور اقتصادی انحرافت کو وجود بخشا۔

مسلمان آدمی جس نئی ثقافت سے دوچار ہے اس کے نفسیاتی وحیاتیاتی ماحول کا حال یہ ہے کہ معاشرہ خودسر ہے وحشیانہ اقتدار اور بدترین خواہشات کے طوفان زور پر ہیں، قوتوں کی اٹھان اور طاقتوں کے شباب میں عام انسان محرومی، انتہائی کمزوری اور پستی محسوس کرر ہاہے۔ اس کے ردعمل میں وہ نفسیاتی طور پر بیمار اور خودکشی کو تیار ہے۔

موجودہ ثقافت کی مشکلات سے بھاگنے اور آنکھیں بند کرنے والوں کو اس فرار سے بھی نجات نہ ملی وہ جس ماحول سے گھبرا کر بھاگے، یا تن بہ تقدیر آنکھیں بند کر کے ساتھ چلنے لگے انہیں ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور فائدہ کچھ نہ ہوا۔

آج کے مسلمان پر اس ثقافت کی بجلی گرنے سے اس کی قوتیں ختم ہوگئیں، اس کا زاویہ نظر چھن گیا وہ زاویہ نظر ہی سے انطباق کا عمل کرتا تھا۔ اس ثقافت اور اس کے خالقوں نے مسلمانوں کے فائدہ پیش نظر نہ رکھا، ان کا مقصد صرف اپنی ذات کی برتری اور تحفظ تھا اور ہے۔ اس کا مدعا یہ ہے کہ انسان سے آزاد و باعزت زندگی کا احساس چھین لے، انسان میں حرکت و پیش قدمی کی قوت منجمد کر کے اسے ایسا کھلونا بنادے جس سے اپنی مرضی، اپنے ارادے اور اپنی پسند کا کام لے، جس بات کے لئے جب چاہے اور جو چاہے استعمال کرے اور جب چاہئے چھوڑ دے، عالم یہ ہوگیا ہے کہ بسا اوقات مرد مسلمان یہ سب کچھ گردن جھکا کر تسلیم کر لیتا ہے۔ مسلمان اس بے سروپا داخلی دنیا میں کیا کرے اور بیرونی ہلاکت آشنا دنیا میں کیا نہ کرے۔ مسلمان اسلام پر یقین رکھتا ہے دین اکثر و بیشتر کہیں کم اور کمتر ان حادثات کی مخالفت کرتا ہے وہ ان حادثات سے متاثر اور سپر انداختہ ہونے کو ہمیشہ منع کرتا ہے۔ مگر سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ جس اسلام پر اس آدمی کو یقین ہے وہ اس کے سامنے غبار آلود ہے، اس پر گہری کہر چھائی ہوئی ہے حدود غیر واضح اور نشانات مٹے مٹے ہیں لہٰذا وہ تباہ کن اور ہلاکت آفریں مشکلات میں اسلام کے اختیارات کا اندازہ نہیں لگانے پاتا۔ وہ انسانی زندگی کی خشکی میں شادابی اور بجھاؤ میں شعلہ پیدا کرنے کی قوت

دریافت کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔ اسلام مسلمان کے ضمیر میں خانقاہ، تصوف اور شطحیات کے ساتھ ہی سہی بہرحال موجود رہتا ہے...... استعمار اسلام سے منحرف فکر کو صحیح راستے پر آنے کے بجائے گمراہ سے گمراہ تر کرتا رہتا ہے اسے معلوم ہے کہ اسلام دشمن استعمار ہے اور حقیقی اسلام استعمار کی موت ہے، وہ استعمار کو قطعہ زمین اور انسانی علاقوں سے نکالنا چاہتا ہے۔ اس لئے استعمار، اسلام کے سامنے خاک اڑاتا اور دیواریں اٹھاتا ہے۔

آج کا مسلمان اسلام کے وضع کردہ اعلیٰ اقدار پر یقین رکھتا ہے لیکن فقط یقین رکھنا ان اعلیٰ اقدار تک پہنچنے کے لئے کافی نہیں، ایمان کا مطلب یہ ہے کہ زندگی ان اصولوں کے مطابق ڈھلی ہوئی ہو اور مثالی کردار کو واقعی نمونہ بنایا گیا ہو۔ مسلمان اور مثالی کردار کے درمیان اصولوں کو وسیلہ ہونا چاہئے۔ دراصل مسلمان آدمی، ان اصولوں پر زندہ ایمان سے محروم ہے وہ ان باتوں کو پوری طرح نہیں سمجھ سکا، اس کے نشان اور حدود نہیں جانتا۔ عظیم واقعی حقائق کو صحیح سمت پر لانے اور چلانے کی قوت کا سرچشمہ سمجھنے کی طرف دھیان نہیں رکھتا۔ دشمن نے اس کی آنکھوں پر اپنی عینک لگا دی اور دماغ پر رنگین پردہ ڈال دیا ہے۔

یہاں ایک انتہائی خطرناک امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے۔ وہ اصول اسلام کی تطبیق کی بات ہے۔ اسلامی ممالک میں استعماریوں کی حاکمیت سے پہلے حکام کی گمراہی و انحراف کے ساتھ ساتھ اسلامی اصولوں کی تطبیق میں غفلت اور دین اسلام کے حقائق کا ادراک صحیح طریقہ پر نہ تھا لیکن آج استعمار پوری کوشش میں مصروف ہے وہ فریب انگیز فکری پروپیگنڈے سے مسلمانوں کو باور کرا رہا ہے کہ تطبیق کا تصور عمل یکسر غلط اور بے موقع ہے۔

مسلمان دوراہے میں حیران کھڑا ہے۔ حقیقت و واقعات ہیں۔ معاشرے کی آوارگی، اخلاق کا فقدان، اسلامی اقدار کا ضیاع مسلمان ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ دوسری طرف مثالی اقدار و کردار و تعلیمات ہیں جن سے محبت بھی کرتا ہے ان پر بھی یقین رکھتا ہے لیکن ان سب باتوں کو وقوع میں لانے کے لئے وسائل نہیں رکھتا۔ ہاتھ پاؤں چلانے اور فکر کی قوت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کرتا اور صورت حال جو غالب و

حکمران ہے وہ مثالیہ کی دشمن اور اسے مٹانے کی درپے ہے۔

ہمارے زمانے کا مسلمان نفسیاتی طور پر بڑے کرب میں مبتلا ہے، ہر واقعے، ہر حادثے پر وہ اسلامی زندگی میں رونما ہونے والے ردعمل کو محسوس کرتا ہے جو افکار اس پر مسلط کئے جاتے ہیں ان افکار سے وہ لڑتا ہے۔لیکن چونکہ اسلامی تعلیمات واصول پر ایمان کامل نہیں رکھتا اس لئے طوفانی بہاؤ کے مقابلے میں اس کے پاؤں اکھڑتے ہیں۔ وہ حفاظتی افکار کا بند باندھنے سے قاصر رہتا ہے وہ اس عالم میں ہے کہ عقیدے کی گہرائیوں سے رشتہ نہ ہونے کے باوجود دنیا سے ٹکراؤ کی شدت میں آنکھیں کھلونے اور اسے دیکھنے پر مجبور ہے مگر اس کے مشاہدے سے خوش نہیں ہوتا، مشاہدہ ومنظر میں وہ انتشار جو دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اسلام کے دائرے سے باہر لئے جاتا ہے اور دنیا کے لئے الگ ہلاکت آفریں ہے۔ یہ مشاہدہ اس کے اندرونی احساسات ونفسیات میں ردعمل کے ذریعے عالم اسلام سے انحراف کی فریب انگیز علت دریافت کرتا ہے وہ اس مثال کو اپنے لئے سند بناتا ہے۔ ایک اچھے مفروضے کی بنا پر اس مشاہدہ کو کبھی حیرت ضعف آفریں کا عکس العمل قرار دیتا ہے پھر اسے اپنے مثالی نصب العین کے بارے میں شک ہونے لگتا ہے۔ اس مغالطہ انگیز ادراک اور حیرت وتردد کی بنیاد وہ نشہ آور وگمراہ کن فکری طوفان ہے جو انسان کو ہمہ وقت اور ہمہ جہت گھیرے ہوئے ہے۔

یہ گھیراؤ اسلامی ممالک پر اجنبی استعمار کی پیداوار ہے، یہ فکری فلسفہ سمجھاتا رہتا ہے کہ پستی، رسوائی اور ہلاکت آفرینی کا سبب اسلام ہے۔ اس کی نگاہوں سے یہ حقیقت دور کردی جاتی ہے کہ اصل سبب اصول اسلامی سے محبت وایمان کا فقدان ہے۔ اس قوت عظمیٰ سے اجنبیت جو اسے پستی سے نکال کر اوپر لاسکتی ہے کچھ افراد نفسیاتی اثرات میں انتہا کو پہنچ جاتے ہیں وہ اس غم انگیز مصیبت میں دوسرے نہج کی زندگی اختیار کر لیتے ہیں۔ انسانوں کی اکثریت فقر واحتیاج، واقعہ اور مثالیت کی کشمکش میں پھنس جاتی ہے، کچھ محرومی وبے بسی میں یاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مسلمان کا مصائب میں مبتلا ہونا پریشان کن نہیں، پریشانی اس موقف میں ہے جو افتاد کے وقت وہ اختیار کرتا ہے اس کا ردعمل کیا دکھاتا ہے نفسیات کی شکست اور زندگی کے مختلف میدانوں میں مقابلے کا انداز۔مصیبت کبریٰ تو وہ ہے جب وہ سپر اندا ختگی کا انداز قبول کر لیتا ہے۔

مشکلات کا حل یہ ہے کہ مسلط شدہ صورت حال میں مسلمان اپنا موقف درست رکھے ہر وقت خیال میں رہے کہ وہ بے قیمت وحقیر نہیں بلکہ وہ مشکلات پر قابو پانے اور مشکل کو حل کرنے ،مثالیت سے رابطے کی صلاحیت رکھنے والا انسان ہے وہ اپنے آئیڈیل سے مربوط رہ سکتا ہے، ایسے شخص کے سامنے مسلط شدہ حالات جو آئیڈیل کے مخالف ہوتے ہیں، بے قیمت ہو جاتے ہیں وہ سچے دل اور پوری عزیمت سے انہیں رد کرنے کے قابل سمجھتا ہے۔ان غلط حالات سے یا ڈٹ کر مقابلہ یا بچ نکلنے کی کوشش کرتا ہے یہ شخص کمزور وگم شدہ نہیں یہ اپنی ذات اور اپنے نتائج کار کو سمجھتا اور اس کے مناسب اقدامات کرتا ہے۔اس کا ادراک توانا اور اس کا دفاع مضبوط ہوتا ہے۔

جب مسلمان آدمی کو ادراک توانا حاصل ہو جائے تو مشکلات میں اپنے موقف کی تصحیح بھی کر سکتا ہے اور منفرد راہ نجات بھی حاصل کر سکتا ہے۔یعنی صورت حال سے نپٹنے میں خوفزدہ نہیں ہوتا۔

اس ادراک کے حصول کا طریقہ اسلام کے عظیم اصول وقوانین کا انکشاف ہے۔ ان اصولوں سے مسلمانوں کو جہالت اور ناواقفیت اور فاصلوں کو ایک مدت ہو گئی۔انسانی مشکلات کا حل، اسلامی اصولوں کے اندراج چھپی ہوئی قوتوں کا ادراک ہے جن میں زندگی کو سرسبز وشاداب کرنے اور زحمتوں کو خوشیوں اور سعادتوں میں بدلنے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔جن مصائب میں گھر کر مسلمان دوڑنے آگے بڑھنے اور ترقی کرنے سے رک گیا ہے وہاں اس ادراک کے ذریعے قدم بڑھائے۔پھر مسلمان آدمی اس سوچ سے آزاد ہو جائے گا کہ وہ ضائع شدہ بے کار، خلا میں معلق اور بھری دنیا میں اکیلا ہے۔اب وہ اپنی شخصیت

کے شعور فروزاں سے مالا مال اور ایسے مضبوط رشتوں سے وابستہ ہوگا جو اسے زندگی کی طرف بڑھائیں گے اس میں ایسے تقاضے بیدار کریں گے جن کے سہارے عظیم اصولوں اور شاندار مثالی اقدار میں خود کو رنگنے کی خواہش پیدا ہوگی......تاریخی حس کی فراوانی ہوگی۔ تاریخ سازی کا ارادہ عمل کی صورت اختیار کرے گا ہمارا یہ مطلب نہیں کہ وہ اسباب و وسائل کے بغیر گذشتہ مسلمانوں کے فتوحات کو سمجھنے لگے گا۔ کیونکہ یہ تصور اسے بغیر لوری کے سلانے کا سبب ہے۔ ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ ایسے ادراک کا حامل مسلمان ان فتوحات کے اسباب وعلل کی حرارت وقوت سے بہرہ ور ہو سکے۔ یعنی جو عظیم اصول گذشتہ مسلمانوں کے لئے شاندار حال پیدا کر چکے ہیں وہ آج بھی مسلمانوں کے لئے شاندار حال بنا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ زندگی میں فقط سوچا ہی نہ کرے عمل بھی کرے۔

مسلمان کی مصیبت کا پہلا دن وہ تھا جب اس نے مستقبل کے لئے سوچا تو مگر اس کو زندگی نہ بخشی۔

ہمارے پیام نے آج کے مسلمان کو اس ادراک کے حصول کی طرف توجہ دلائی اور حصول کا راستہ ہموار کیا ہے۔

ہمارا پیام اور موضوع امن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۰۸﴾

ایمان لانے والو، سب کے سب ''سلم'' میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔[1]

ہم مذکورہ آیت کے مطالعے اور مقاصد کے ضمن میں درج ذیل سوال پر غور کریں گے۔

آیہ کریمہ میں ''السِّلۡمِ '' کے معنی کیا ہیں؟

اس کلمہ کے تحلیلی مرحلے میں ہمیں ممکن معانی اوران کے احتمالات بیان کرنا ہوں گے۔

السِّلۡمِ :۔ کے معنی ہیں۔

۱۔امن، جنگ کی ضد،

۲۔اسلام،عقیدہ یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ پر ایمان۔

۳۔اللہ کے حضور میں مکمل طور پر گردن جھکانا،مکمل طور پر زندگی کے تمام احوال میں خضوع۔

تین احتمالات اور معانی میں سے ہماری بحث میں صرف تیسرے ہی معنی پر گفتگو آگے بڑھ سکتی ہے۔ کیونکہ پہلے معنی میں انتقاد برداشت کرنے کی قوت نہیں ''السِّلۡم '' سکے نیچے زیر،لغت میں اس کے معنی سلام (امن) ہیں ہی نہیں،البتہ کبھی مجازاً سلم کا استعمال ''سلام'' کے معنوں میں ہوا ہے۔ کیونکہ سلام کے مفہوم میں استسلام و رضا قبول،داخل

---

[1] سورۃالبقرہ:۲۰۸

ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اسلام ایک وقوع پذیر شے ہے۔اس کے شرعی احکام ہیں۔اسلام کی راہ جہاد میں پیش آنے والے حالات ومعاملات میں اپنے وجود کی خاطر سلام (امن) واجب ہوتا ہے،خداوند عالم کا ارشاد ہے۔

فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۝۹۰

اگر وہ تم سے جدا ہو جائیں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہارے سامنے صلح پیش کریں تو اللہ نے تمہیں ان کے خلاف راستہ نہیں دیا ہے۔[۱]

بعض مقامات ایسے بھی آتے ہیں جہاں صلح (امن) حرام ہے جیسے ارشاد پروردگار ہے۔

فَلَا تَهِنُوۡا وَتَدۡعُوۡۤا اِلَى السَّلۡمِ ۖ وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ ۖ

تم لوگ سستی نہ دکھاؤ اور لوگوں کو صلح کی طرف بلاؤ اور تم لوگ تو بالا دست ہو۔[۲]

اس موقع پر دوسرے معاملات کی طرح اسلام نے اپنا رویہ واضح کر دیا، جب صورتحال یہ ہو تو کسی دوسری صورت حال کے بجائے صرف امن ہی اختیار کرنا چاہئے۔

دوسرے معنی بھی یہاں مناسب نہیں، کیونکہ آیت پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ اگر لفظ کے معنی ''ایمان باللہ'' ہوتے تو خصوصی طور سے مومنوں سے خطاب نہ ہوتا۔ مومنوں سے اسلام کا مطالبہ اور اسلام میں داخل ہونے کی بات بے معنی ہے۔مومنوں سے خطاب، معنی بلند کا تقاضا کرتا ہے۔''ادخلوا'' کا مطلب یقیناً اسلام کے بعد بہتر حالت اور اسلام کی حقیقت عالیہ میں داخل ہونے سے عبارت ہے اور یہ صفت مومن کے نفسیات

---

[۱] سورۂ النساء:۹۰

[۲] سورۂ محمد:۳۵

اور انفرادی عالم سے متعلق نہیں ہوسکتی۔ کافة سے تمام مومنین ہی مراد ہیں۔

آیت محسوس وممتاز حقیقت کے قیام کی طرف دعوت دے رہی ہے خالق کے حضور عاجزی وسپردگی اس کی عملی حاکمیت جن بنیادوں پر معاشرہ قائم ہے ان سب کی باگ ڈور اسی حقیقت کے حوالے کر دینا جس نے محمد مصطفی ﷺ کو اس حقیقت کے قیام اور بشریت کو اس کے زیر سایہ وزیر حمایت زندگی گزارنے کی دعوت دی۔ یعنی اللہ کے سامنے گردن جھکانا۔

قرآن کریم مسلمان مومن سے سپردگی اور عاجزی کا شخصی مطالبہ نہیں کرتا، اس کا مطالبہ تمام مراحل کے بعد یہ ہے کہ مسلمان اسلامی حقیقت کے قیام کی خاطر خالق کے حضور سپردگی وعاجزی کے امتیازی انداز سے زندگی بسر کرنے کے ساتھ۔ بلکہ تمام مسلمانوں سے مطالبہ حقیقی سپردگی ایک ہی جگہ نہیں بلکہ متعدد حقائق میں سپردگی کا مطالبہ ہے۔

جو معاشرہ اپنے وجود کے لئے تسلسل اور بقا چاہتا ہو اسے اساسی قانون اور جوہری دستور کی بہر حال ضرورت ہوگی، معاشرہ خوش حالی، سعادت اور عزت کا خواہش مند ہوتا ہے اور اس مقصد کے لئے اساسی قانون اصل محرک کا عمل انجام دیتا اور اسے حیات و آہنگ مہیا کرتا رہتا ہے۔ اسی کے ذریعے وحدت، باہم پیوستگی کی نگہداشت ہوتی ہے وہی تمام اعمال کا نقطہ اور انحراف وتباہی ومقاصد سے دوری پر روک اور بند باندھتا ہے۔ معاشرہ اسی قانون کی بنیاد پر دائرہ کار وضع کرتا اور اسی کے مطابق سب کام انجام دیتا ہے۔

اسلام، اس حقیقت پر عملی اقدام کے لئے اصرار کرتا ہے وہ ایمان باللہ کو معاشرے کی بنیادی حقیقت کا قانون وکلیہ قرار دیتا ہے اور اسی دائرے میں داخل ہونے کا حکم جاری کرتا ہے کیونکہ معاشرے کے تمام جہات میں سپردگی بحضور خدا کی اساس، ایمان اور اعتقاد ربوبیت ہے۔ اسی وجہ سے خاص طور پر مومنوں کو ''سلم'' (سپردگی) میں داخل ہونے کا حکم ہے۔ ارشاد یہ ہے کہ جس وجود کا قیام اور جس وجود کے استحکام کی دعوت دی گئی ہے اس کی اساس اور بنیادی شرط ایمان ہے اور دوسرے مرحلے میں مرکزی نقطہ سپردگی ہے۔

اسلامی مزاج وخمیر کا جس اساسی قانون پر دارومدار ہے وہ ہے۔ ایمان باللہ۔ الوہیت پر اعتقاد کامل۔ اور اس کے بعد ارد گرد کی شادابی وکشش کے لئے استسلام۔ سپردگی خضوع بحضور خدا (عاجزی) تمدن کے تمام معاملات میں دین کی سربراہی ماننے پر موقوف ہے۔ یہی وجود ومزاج وہ منفرد چیز ہے جو انسان کے معزز کردار کو آگے لے جاتی ہے۔ مبتلائے تباہی بشریت کو ذلت کے گڑھے اور عقیدہ وروحانیت سے خالی فضا میں شک کی تلخیوں کے شکنجے سے چھڑانے والا صرف ایک ہی نظام ہے۔ نفسیاتی وجنسی کج روی، گھٹیا قسم کی لذت اندوزی میں حد سے زیادہ ملوث نئے تمدن کے ہیجان اور بیماریاں، عصبی امراض اور ہلاکت آفرین حالات موجودہ معاشرے کے بدترین خصوصیات ہیں یہ معاشرہ خاندانوں کی گراوٹ کا مظہر ہے ان سب کا علاج، ایمان باللہ اور سپردگی کامل وخضوع الی اللہ ہے۔

معاشرے کی غلطیوں کا علم سب کو ہوا لیکن صرف علم تو علاج نہیں کرسکتا۔ اسی وجہ سے بیماریوں اور امراض میں گھری ہوئی تہذیب میں واضح ونمایاں آلودگیاں اسی طرح ہیں۔ جب تک نئی تہذیب راحت وآسائش کے وسائل دریافت کرتی رہے گی جب تک جدید علوم سعادتوں کو ڈھالتے اور بناتے رہیں گے۔ اس وقت تک اس تمدن کے اختیار میں انسانی نفسیاتی آزادی نہیں آسکے گی۔ نہ وہ اجتماعی زندگی کی گرہ کھول سکتا ہے نہ نفسیاتی الجھنوں سے بچنے کے لئے پناہ گاہ بنا سکتا ہے۔

اس وقت انسانیت کو ایک اعلیٰ مثال کی ضرورت ہے جس پر بھروسہ کرسکے پھر اس مثالی نظام کو بروئے کار لائے، اس کام کے لئے اس کے سامنے واضح، صحیح اور امکانات کے حدود میں داخل نصب العین ہونا ضروری ہے۔ انسان کو بیسویں صدی کی ثقافت نے جو مثالی نظریئے دیئے تھے وہ ناکام ہوچکے، بلکہ ان مثالی نظریات کے ہاتھوں انسان کو بڑے مصائب وآلام جھیلنا پڑے اس کے بعد آج سے اعلیٰ مثالی فکر وعمل کی شدید ضرورت ہے۔ نئے مادی تمدن نے جو مثالی نصب العین دیا اس میں محسوس لذت آفرینی، زیادہ پیداوار، زیادہ نفع اندوزی تھی لیکن اس سے گمشدہ انسانی سعادت وخوش حالی نہ مل سکی اور اس کا دل

فریب خواب تشنۂ تعبیر رہا اور امیدوں کے لمبے لمبے ہاتھ خالی رہ گئے۔

ہمارے سامنے انسانیت کے شایان شان اس کی خوشحالی وسعادت، آزادی کے لئے موزوں اعلیٰ مثالی نظام موجود نہیں ہے جو اسے بیماریوں اور دکھوں سے نجات دلائے جو اسے عقیدے کے خلا اور شک کے چنگل سے رہائی دلائے جو اس کے اساسی وجود کو تمام اطراف وجوانب سے صحیح طور پر مربوط کرے۔ اس کے لئے صرف ایک سپردگی بخدا کا مثالی نظام ہے، یہ نظام ہے جسے قائم کرنے کا اسلام داعی ہے۔ اللہ کے حضور سپردگی۔ انسان میں خلاقیت کی قوت بیدار کرتی ہے، ٹھوس مادہ فراہم کرتی ہے خلق اور فعالیت دکھاتی ہے لذت اور پیداوار کو بہتر مستقبل اور خوش گوار زندگی کی طرف لے کر چلتی ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٢﴾

جو شخص مردار تھا ہم نے اسے زندگی دی اور ایسی روشنی عطا کی جس میں وہ عام آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے کیا یہ شخص اس کے برابر ہے۔ جو اندھیروں میں ہے اور اس سے نکل ہی نہیں سکتا۔ ہم نے کافروں کے کرتوت ان کے لئے یونہی خوشنما بنادیئے ہیں۔ [1]

❁❁❁❁

[1] سورۂ الانعام: ۱۲۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام اور عہد امام جعفر صادق علیہ السلام

امام جعفر صادق علیہ السلام کی یاد سے ہمیں خاص مناسبت ہے، ان کے عہد اور ہمارے زمانے میں بہت سی مشابہتیں ہیں اس لئے ان کی یاد کا دن فقط تجدید محبت یا عظیم المرتبت امام اور ان کے آبا کرام علیہم السلام سے بنیادی رابطہ کا سبب نہیں۔ یہ دن اور یہ یاد ہمیں اس انتہائی سخت مقابلے کی ذہنی وابستگی کو زندہ کرتی ہے جس میں امام ششم نے دشمنوں کے حملوں سے دین کو بچایا، اور دین کی براقی و تابانی کی محفوظ رکھی۔ ہم پر فرض ہے کہ امام کی یاد اس طرح منائیں جو دشمنان اسلام اور انحراف پسند مسلمانوں سے مسلسل مقابلہ کا جذبہ فراہم کرے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور فتنوں اور ذاتی خواہشوں کے تصادم کا طوفانی دور تھا اس عہد نے اسلامی معاشرے کو درہم برہم کر رکھا تھا گمراہ کن خیالات اور طرح طرح کے جھگڑے تھے۔ ان باتوں نے کچھ مسلمانوں کے ذہن اسلام اور اس کے عظیم اصول و قوانین کے بارے میں مشکوک بنا دیئے تھے۔ دشمنان اسلام اور اسلامی حلقوں میں گھسے ہوئے منافق لوگوں نے اضطراب اختلاف اور جمعیت کے انتشار کا فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں میں اپنے نئے نئے خیالات پھیلائے اور مسلمانوں نے بھی بے سوچے سمجھے ان افکار سے خوشہ چینی کی آخر کار ان کی صفوں میں وبا کی طرح شک پھیل گیا عالم نما افراد نے بدعتوں کے فروغ اور شہرت پسندی پر کمر باندھ لی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے دینی جنگ کی ذمہ داری اس پر آشوب عالم میں قبول کر لی۔ فتنوں، بدعتوں اور ہوس پرستیوں کے مقابلے میں امام انتہائی دلیری سے ان کے سامنے کھڑے رہے آخر کار اس عہد کے شریر ترین آدمی نے چراغ زندگی گل کر دیا، امام نے اپنے عہد کے باغی خلفا والیان علاقہ اور بااثر افراد سے مقابلہ کیا آپ نے ان لوگوں کو

احکام اسلام میں تحریف، رعایا پر ظلم مقدرات قوم کا تمسخر اڑاتے اور ان کے کردار و افعال میں مکمل غیر ذمہ داری دیکھی تو مقابلے میں ٹھوس اور غیر لچکدار رویہ اختیار فرمایا زبان سے مقابلہ کیا اور امت کو اسلامی اصولوں کی تطبیق یاد دلائی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا نقطہ آغاز یاد دلایا، انہوں نے معاصر ظالم حکمرانوں کو توجہ دلائی کہ امت کی نگہداشت کا عمل جاری ہے۔

امام نے دین اسلام کے بارے میں کج فہمیوں کا مقابلہ کیا یہ لوگ دنیاوی زندگی سے علیحدہ عمل سے بے تعلق، لذائذ وفوائد دنیا سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ امام علیہ السلام نے اپنے شاندار بیانات سے زندگی دنیا، عمل اور دنیاوی متعلقات سے نفع اندوزی اور دین اسلام میں جن حدود کے اندر رہ کر دنیا سے مستفید ہونے کے بارے میں تعلیم موجود ہے۔ لوگوں تک پہنچائی۔

امام، اہل باطل کی سرکوبی کو اٹھے تو فلاسفہ، دہریوں، اہل کلام واصحاب رائے سے مباحثے فرمائے وہ لوگ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو راستے سے ہٹا دیں اور عقائد میں شک ڈال دیں۔ امام نے حکیمانہ طریقے سے ان کے فاسد اور غیر منطقی افکار کو غلط بتایا۔ ان کے راستے کی کجی، ان کی راہوں کے پھیر انہیں سمجھائے اور کلمہ حق کی طرف بلایا، بہترین طریقے سے مباحثے کئے ان گم کردہ راہ اور گمراہ کن لوگوں سے مناظروں کا حال تاریخ نے محفوظ کر رکھا ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنے شاگردوں اور اپنے مدرسہ علمیہ کے افاضل کو ان کی قابلیت اور قوت کے مطابق فکری معرکوں میں مقابلے کے لئے بھیجا، اسلام کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کی طرف سے اٹھائے گئے طوفان کے خلاف انہیں صف بستہ ہونے کا حکم دیا۔ یہ حضرات امام کی قائم کردہ جنگ میں بہترین مددگار ثابت ہوئے۔ عقائد کی جنگ میں حضرت اور آپ کے اصحاب کا یہ عمل پہلا اور آخری دستاویزی کارنامہ ہے۔

امام علیہ السلام کی یہ جدوجہد منصب امارت کبریٰ وخلافت عظمیٰ کے مطابق تھی اس

منصب کی اہمیت تشریع اسلامی کے ماخذ کی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے جہاد کے یہ چند پہلو تھے وہ مقابلہ وجدوجہد جس کی ذمہ داری امام نے اٹھائی تھی اور آج ہمارے لئے محرک ہے کہ ہم راہ اسلام میں اپنے عہد کے منحرفین ودشمنان اسلام سے جہاد میں کمر بستہ رہیں، کیونکہ ہمیں آج کے زمانے میں جس چیز کا سامنا ہے وہ باہر سے آئی ہوئی عقائد کی وبا ہے جو اسلام اور مسلمان کو چیلنج کر رہی ہے۔ یہ بات محتاج دلیل نہیں ہے کہ مسلمان اسلام سے منحرف عقائد وافکار کے ایک طوفان سے دوچار ہیں اور اس کے پس پشت دشمنوں کا یہ منصوبہ ہے کہ مسلمانوں کو اس عقیدے سے الگ کردیں جو انہیں ہلاکت وتباہی سے بچاتا ہے۔

مسلمانوں کے درمیان طبقے میں بیرونی عقائد وافکار کا پھیلاؤ اور عقائد سے ذہن کا خلا یہ ثمر لایا کہ مسلمانوں میں اسلام نام کو رہ گیا اسکا عملی زندگی اور زندگی کی رفتار سے رشتہ ٹوٹ گیا، وہ نام جس کا تعلق اگر کچھ باقی ہے بھی تو ''رب'' سے ہے لیکن مسلمان کا اپنے دینی بھائی اور دینی دشمن یا زندگی کے بڑے مسائل سے بہر حال کوئی تعلق نہیں رہا۔

عقائد کے خلا سے گمراہی کے بنیادی مقاصد کو متوسط اسلامی حلقے میں بیرونی افکار کے پھیلانے کا موقع ملا اس کے بعد مسلمان کا فریضہ یعنی مشکلات ومسائل، انسان اور زندگی اور کائنات کے سلسلے میں اپنا موقف برقرار رکھے اور اپنی ذمہ داری پوری کرے یہ بات نہ رہی۔ اسلام دشمن اپنی سیاسی وجنگی برتری کی وجہ سے غالب آ گئے۔ انہوں نے اسلامی معاشروں کو اسلام سے رہنمائی لینے اور اسلامی اصولوں کو اپنانے، اپنی زندگی کو اسلامی بنانے سے روک کر ان افکار وخیالات کا پابند کر دیا جس کا نہ تو اسلام سے کوئی تعلق ہے نہ وہ اسلام کے ساتھ ایک منزل میں جمع ہو سکتے ہیں لہٰذا زندہ اسلام اور مسلمانوں سے ان کا رشتہ ٹوٹ گیا اور ان کی زندگی پر اسلام کا سایہ نہ رہا۔ عقائد سے خلا کا یہ نتیجہ ہی ''وبا'' ہے۔ عالم اسلامی کی یہ فضا اس فضا سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہے جو عہد امام میں تھی اور جسے امام جعفر صادق علیہ السلام نے حقیقی اسلامی ماحول میں بدلنے کی جدوجہد کی تھی۔

امام صادق علیہ السلام اور ان کے آبا کرام علیہم السلام نے اپنے بعد والے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لئے راہ ہموار کی اور دعوت الی اللہ کے لئے انسانی واسلامی رویہ اپنایا یہی رویہ قرآنی رویہ ہے

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَالۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ

اپنے رب کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ بلاؤ

اور اچھے انداز میں مباحثہ کرو۔[۱]

ہم اللہ کی مدد سے انہیں کے نشان قدم پر چل رہے ہیں۔

❁❁❁❁

---

[۱] سورۂ النحل:۱۲۵

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہمارا پیام اور اسلامی شخصیت

''اسلامی شخصیت'' کے موضوع پر گفتگو سن کر آج کے مسلمان دانشور حیرت کا اظہار کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ شخصیت کا تعلق اسلام سے ہوتا ہے جبکہ شخصیت بھی مستقل، منفرد اور قابل بحث وتحلیل ہو۔ اس کے بجائے کسی عربی، ایرانی، ہندی، پاکستانی شخصیت پر بات ہوتو اجنبیت کے بجائے دلچسپی کا اظہار کیا جاتا ہے پھر اسی دوران اسلامی شخصیت پر بات نکل آئے تو بے لطفی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اس کا سبب وہ ''عقلی وبا'' ہے جس نے حقیقی اسلام اور مسلمان کا درمیانی رشتہ توڑ دیا ہے جس کا زہر ہمارے جوانوں میں سرایت کر چکا ہے، یہ لوگ اپنی عقلی غذا میں مغربی افکار پر انحصار کر چکے ہیں۔ وہ اپنے وجود، تشخص اور افکار کو چھوڑ کر غیروں کے وجود، اور افکار کو دل وجان بنا چکے ہیں۔

اسلام، عمومی عقیدہ ہے وہ انسان کی پوری زندگی پر محیط ہے، کوئی گوشہ اس نے خالی اور کوئی پہلو اس نے تشنہ نہیں چھوڑا۔ اس کا یہ گھیراؤ اور ہمہ جہتی پھیلاؤ چاہتا ہے کہ اس کے پرستار اور ان پرستاروں کا رویہ اندرونی طور پر اسلام سے متاثر ہو اور ان کا وجود اس مخصوص سانچے میں ڈھلا ہوا ہو۔ اس نقطہ نظر سے حیرت کی بات تو یہ ہوگی کہ اسلامی شخصیت مستقل اور منفرد شخصیت نہ ہو یا بحث ونظر کا موضوع غیر اسلامی شخصیت قرار پائے۔

مسلمان آدمی کا وجود خاص ہے وہ اپنی روحانی قوت کی جہت سے اللہ تعالیٰ سے روابط رکھتا ہے۔ اور عقلی وفکری قوت کے سہارے کائناتی عمل انجام دیتا ہے اور اخلاق کے زاویے سے معاشرے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے روح، عقل اور اخلاق تین عنصر اسلامی شخصیت میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ عناصر پورے کے پورے یا کچھ نہ کچھ بھی کسی اسلامی شخصیت میں نہ ہوں، ممکن ہی نہیں اس میں زندہ اور کشادگی بخش عقل اور اعلیٰ درجے کے مثالی اخلاق ضرور ہوں گے اور مثالی انسانی شخصیت میں پاک صاف روح کا ہونا

ضروری ہے۔ اسلام نے یہی کوشش کی ہے اور یہی اس کا مدعا ہے وہ ایک نمونے اور مثالی قسم کا انسان بنانا چاہتا ہے جس میں یہ قوتیں موجود ہوں۔

عقل:۔ جس کی مدد سے وہ اپنا کائناتی عمل پورا کرے۔

خلق:۔ جس سے معاشرے میں تاثیر وتاثر لے۔

روح:۔ جو صورت گر و خالق و باری، اللہ سے متصل کر دے

واضح سی بات ہے کہ انسان مسلم کی شخصیت میں یہ چیزیں رکاوٹ نہیں بلکہ معاملات و تکامل میں معاون اور آگے بڑھانے والی ہیں اور جس انسان میں یہ تین عظیم قوتیں موجود ہوں اور وہ انہیں اپنی روز مردہ زندگی میں استعمال کرے اخلاقی اصولوں پر دوستوں سے سلوک کرے تو اس کے وجود میں اصول اور واقع کے درمیان کوئی ایسا فاصلہ نہ ہوگا جو غیر متکامل انسان کے اندر ہوتا ہے۔

راستے کو معین اور منزل کو نامزد اور عمل کو مہمیز دینے والے عقیدے کے سرچشمے سے پھوٹ نکلنے والی شخصیت کا تعلق ایسے نظام سے ہوتا ہے جو ہر انسانی ذات کو بلا شرکت غیرے منفرد و متمایز وجود بخشتا ہے اسے اندرونی شادابی اور بیرونی زرخیزی دیتا ہے۔ اسی بنا پر ہر شخص واقعیت پر قادر اور اسے رنگ و روپ دینے والا ہوتا ہے اس پر زبردستی قبضہ اور بجبر استعمال نہیں کرتا اس مفہوم کی وجہ سے مسلمان آدمی ''شاھد علی الناس'' لوگوں پر گواہ بن سکتا ہے۔ شاہد کے لئے مشہود سے الگ ہونا، اس کا ناظر و نگراں اور پرکھنے والا ہونا ضروری ہے اس کے اندر ایسی حد بندی ہونی چاہئے جس کی وجہ سے از خود درفتگی اور حالات کے ساتھ بہنے سے بچ کر اپنے خاص مزاج اور شکل وصورت کو محفوظ رکھ سکے۔

انسان کی ذات یا شخصیت کے تحلیل یا معدوم ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے مآل کار پر قابو رکھنے سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے دوسرے لوگوں کے نتائج عمل میں حصے سے محروم ہو جاتا ہے۔ شخصیت سے محروم آدمی اپنے گرد کی دنیا میں ڈوب جاتا اور ماحول کا غلام ہوتا ہے۔ مادی اور بشری ماحول کا بندہ ایسا آدمی جو ایسے طوفان کا نشانہ بنتا اور جو اس نے

نہیں اٹھایا۔معاشرے کے نقطہ نظر سے شخصیت کا بکھرنا اسے معاشرے میں خود اس فکر ونظر کے سانچے میں ڈھلے ہوئے کائناتی نظام کے اندر زندگی کو معیاری بنانے کے قابل نہیں رکھتا۔خود معاشرے پر اس کا وجود بوجھ،روحانی قوتوں سے خالی،اپنے خاص نظریات و مقاصد سے دور اور زندگی وواقعیت کو اپنے ڈھب پر لانے سے عاجز بنادیتا ہے۔

آج کا مسلمان اس افسوسناک صورتحال سے دوچار ہے،وہ اس حال میں گرفتار ہے،کیونکہ خاص شخصیت اساسی عناصر،یعنی اسلام سے ابلنے والی شخصیت کا حساس ہاتھ سے دے چکا ہے وہ اپنی محدود سرنوشت میں۔اسلامی تمدن کا نمونہ پیش کرنے کا امکان نہیں رکھتا۔دوسری طرف،آج کا حاکم تمدن وثقافت سے کچھ نہ کچھ لے رہا ہے،وہ اس حد تک دباؤ میں آچکا ہے کہ اسلام سے بیگانہ اور نئی ثقافت وتمدن کے لئے اسلام سے استفادہ کی قوت ہاتھ سے کھو چکا ہے۔

مسلمانوں کا اختلاف۔مصیبت عظیم یہ ہے کہ موجودہ دور میں اسلامی شخصیت نہ ہونے سے دنیا کا حال ناقابل بیان حد تک بگڑ چکا ہے آنکھیں کھول کر دیکھیے،دیدہ عبرت کے سامنے عیاں ہے۔اسلام جو جغرافیائی اور نسلی تقسیم کا قائل نہ تھا جس کا دائرہ کار بے شمار جغرافیاؤں اور نسلوں تک پھیلا ہوا ہے۔اگر آج کوئی اسلامی شخصیت ہوتی تو ایک فکری موج اٹھتی اور تمام مسلمان معاشروں میں ہلچل مچا دیتی اور سب کو ایک رخ اور ایک جہت عطا کرتی،لیکن کوئی اسلامی شخصیت موجود نہیں۔[1] سر دست ہر طرف فکری طوفان اٹھ رہے ہیں ہر معاشرے میں کوئی نہ کوئی تحریک ہے۔مسلمانوں کی اس صورت حال نے ان کو خود اپنی پہچان،اپنی معرفت اور اپنی خودی سے روک کر دیوار کھڑی کردی،نتیجتاً وہ سب وہی تقسیموں میں بٹ کر کٹ گئے یہ حدود وقیود خود ان کے وضع کردہ ہیں اسلام انہیں تسلیم نہیں کرتا۔

استعمار پسند طاقتیں اس بات پر متفق ومتحد ہیں کہ اسلام پر حملے کرتے رہیں۔

---

[1] یہ بات انقلاب ایران سے پہلے کی ہے آج حضرت سید روح اللہ خمینی مدظلہ بلاشبہ اسلامی شخصیت ہیں ان کی صدا پر تمام مسلمان متحد ہیں مگر حکومتوں کے سر براہوں یا امریکہ وروس کے دباؤ انہیں کچھ کرنے نہیں دیتے۔

مسلمانوں میں پھوٹ ڈالتے رہیں،ان کی وحدت توڑتے رہیں پھر بھی مختلف اسلامی علاقوں سے شعلے بھڑکتے اور اسلامی شخصیت کے چہرے دانشور اور ذمہ دار مسلمانوں میں ابھرتے رہتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جن کے افکار سے نمودار ہوتا ہے کہ وہ استعماریوں کی زہر پاشی سے بچے ہوئے ہیں۔

مسلمان علاقوں میں اہل فکر کارکن افراد پر لازم ہے کہ وہ اس شخصیت کے احیا اور ممکن حد تک مسلمانوں کی ابھرتی شخصیتوں میں ایک قدآور شخصیت کو تلاش کریں اور اس کا تعارف کرائیں۔